ماہنامہ

المرشد

محمد رسول اللہ

نومبر

2006ء

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى

القرآن الکریم

ترجمہ

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا۔

عراق پر حملہ ایک سنگین غلطی تھی "امریکی رائے عامہ"!

ماہنامہ
المرشد

بانی	حضرت العلام مولانا اللہ یار خانؒ مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ
سرپرست	حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ، شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

نومبر 2006ء رمضان/شوال

جلد نمبر 28 شمارہ نمبر 4

فہرست

اداریہ	محمد اسلم	3
کلام شیخ	سیماب اویسی	4
اقوال شیخ	انتخاب	5
اسلام اور علوم جدیدہ	امیر محمد اکرم اعوان	6
اسلام میں داخلہ	امیر محمد اکرم اعوان	12
سوال و جواب	امیر محمد اکرم اعوان	16
اکرم التفاسیر	امیر محمد اکرم اعوان	20
جنوں مقصود ہے!	امیر محمد اکرم اعوان	28
تزکیہ نفس	حافظ غلام قادری	37
من الظلمت الی النور	عبدالستار انڈیا	39
16 کروڑ ایٹم بم	حسن نثار	42
"انہیں نہ کوئی خوف ہے نہ غم"	عبدالقادر حسن	44
خوشحالی کا دیوتا	جاوید چودھری	46
تزکیہ (انگلش)	امیر محمد اکرم اعوان	56

مدیر

چوہدری محمد اسلم

جوائنٹ ایڈیٹر: ضمیر حیدر

سرکولیشن مینجر: رانا جاوید احمد

کمپیوٹرڈ پرنٹنگ اینڈ لے آؤٹ

رانا شوکت حیات، محمد ندیم اختر

قیمت فی شمارہ 25 روپے

LRL # 41

بدل اشتراک

پاکستان	250 روپے سالانہ
بھارت/سری لنکا/بنگلہ دیش	
مشرق وسطیٰ کے ممالک	100 ریال
برطانیہ۔ یورپ	35 اسٹرلنگ پاؤنڈ
امریکہ	60 امریکن ڈالر
فاراِیسٹ اور کینیڈا	60 امریکی ڈالر

انتخاب جدید پریس۔ لاہور 042-6314365 ناشر۔ پروفیسر عبدالرزاق

رابطہ آفس = ماہنامہ المرشد، اے۔ ٹی۔ ایم بلڈنگ پل کوریاں، سمندری روڈ فیصل آباد فون 041-2668819

E-Mail:info@alikhwan.org.pk Web Site: WWW.alikhwan.org.pk موبائل 0301-6045981

سرکولیشن آفس = ماہنامہ المرشد اویسیہ سوسائٹی، کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور فون 042-5182727

اداریہ

عراق سے فوجیں واپس بلائی جائیں۔ امریکی رائے عامہ کا مطالبہ

عراق میں ہزاروں امریکی فوجی مارے جا چکے ہیں اور لاتعداد زخمی ہو کر وطن واپس چلے گئے ہیں اس کے علاوہ اربوں ڈالر اس جنگ پر خرچ آ چکے ہیں جس کے باعث امریکی معیشت بُری طرح متاثر ہو رہی ہے۔ سادہ لوح امریکی عوام کو بے وقوف بنا کر اور اُن کو دہشت گردوں کے نام سے ڈرا کر صدر بش نے پچھلا الیکشن تو جیت لیا تھا مگر کئی سال گزرنے کے بعد بھی امریکہ عراق میں ''گوڈے گوڈے'' پھنسا ہوا ہے۔ اس نے یہ جنگ جیتنے کیلئے ہر قسم کا اسلحہ، کمیونیکیشن، سٹیلائٹ سسٹم اور دیگر ذرائع استعمال کئے مگر عراق کے دلیر عوام اور مزاحمت کاروں نے قربانی پہ قربانی دے کر سپر پاور ہونے کے دعوے دار ملک کو بے بس کر دیا ہے۔

اس ساری صورتحال پر امریکی عوام نے شدید ردعمل کا اظہار کیا ہے اور اپنی حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ امریکی فوجیوں کو عراق سے واپس بلایا جائے اور اس بے مقصد جنگ سے پیچھا چھڑایا جائے۔

شدید عوامی ردعمل پر صدر بش کو یہ کہنا پڑا ہے کہ وہ عراق کی خطرناک صورتحال پر دیگر تجاویز اور راستوں پر بھی سوچ رہے ہیں۔ امریکی حکومت کو اس حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہئے کہ اُسے بالآخر عراق سے اپنی افواج واپس بلانا پڑیں گی۔ اب وہ اپنی ناکامی پر مزید پردہ نہیں ڈال سکتے۔

عراقی عوام کی قربانیاں رنگ لا رہی ہیں انہوں نے بے سروسامانی کے عالم میں بھی دنیا کی جدید ترین اسلحہ سے لیس فوج کا مقابلہ کیا ہے۔ ان پر یہ شعر صادق آتا ہے۔

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

کلامِ شیخ

سیماب اویسی

امیر محمد اکرم اعوان' سیماب اویسی کے قلمی نام سے شاعری کرتے ہیں۔ آپ کے کلام کے مندرجہ ذیل مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

- گردِ سفر
- نشانِ منزل
- کونسی ایسی بات ہوئی ہے
- سوچ سمندر
- متاعِ فقیر
- آس جزیرہ
- دیدہ تر

آپ کی شاعری کیا ہے؟

فرماتے ہیں۔

''میری شاعری میری کیفیات اور میرے جذبات کے اظہار کے علاوہ کچھ نہیں۔ یہ اشعار کیسے ہیں؟ ان کا معیار کیا ہے بلکہ یوں کہئے کہ یہ اشعار ہیں یا نہیں' اس کی مجھے خبر نہیں' اس لئے کہ میں نے یہ فن سیکھا ہے اور نہ اس کے اسرار و رموز۔ میں نے بہت سکھایا کم' سب کچھ محض اپنے عظیم شیخ کی توجہ اور نگاہ کا حاصل ہے۔

اگر ان اشعار میں واقعی کوئی کمال نظر آئے تو یہ اللہ کی عطا اور شیخ المکرّم کا فیض نظر ہے اور اس کے سارے سقم کی ذمہ داری میری کمزوریوں کا نتیجہ ہے۔

اللہ کرے میں جو چاہتا ہوں وہ کہہ سکا ہوں اور جو کہہ گیا ہوں وہ کسی کی سمجھ میں آ سکے تو میں نے اپنا مقصد حاصل کر لیا کہ بندہ صرف بات پہنچا سکتا ہے باقی سب توفیقیں اللہ کو ہیں۔''

مردانِ حُر

نظر کے سامنے آیا نہ منظر آبگینوں کا
اگرچہ در پہ جھک جانا مقدر ہے جبینوں کا

جہاں مردانِ حر بستے ہوں اک ہیبت سی ہوتی ہے
نہیں باطل کو ہوتا خوف ہرگز نازنینوں کا

جواں قومیں ہوا کرتی ہیں بس خونِ شہیداں سے
سروں کا تاج بنتا ہے انہیں خوش تر نگینوں کا

وہی زندہ ہے جس کی قوم زندہ ہے زمانوں میں
زمیں کی پیٹھ پر ورنہ وہ لقمہ ہے زمینوں کا

محبت نام ہے دینے' فدا ہونے کا' مٹنے کا
یہی حاصل ہے بالآخر محبت کے قرینوں کا

ہو جن کا عشق صادق وہ سمندر چیر جاتے ہیں
بھلا دیوانہ کب محتاج ہوتا ہے سفینوں کا

اگر تعمیر ہی مقصود ہو تو عمر لگتی ہے
نہیں ہے کام یہ سیماب سالوں کا' مہینوں کا

اقوالِ شیخ

☆......ساری دنیا کافر ہو جائے تو کفر کے لئے بڑی لمبی مہلت مل سکتی ہے لیکن جب سب لوگ ظلم پر تل جائیں تو ظلم کے لئے لمبی مہلت نہیں دی جاتی یہ قدرت کا قانون ہے۔ کافر تو تین مدتوں کافر رہیں لیکن جب انہوں نے ظلم کرنا شروع کر دیا تو ان کی مہلت ختم ہو گئی!

☆......اللہ کی ولایت یہ ہے کہ وہ اپنے بندے کو تاریکیوں سے نور کی طرف لاتا ہے اور جن کا دوست شیطان ہو وہ روشنی سے اندھیروں کی طرف سفر شروع کر دیتے ہیں' ان کی نیکیاں کم ہونے لگتی ہیں۔

☆......مومنین کا بنیادی وصف یہ ہے کہ جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں وہ سب سے زیادہ اللہ سے محبت کرتے ہیں یہ ایمان کا خاصہ ہے کہ جب ایمان کامل ہو جائے تو اللہ کی محبت سب محبتوں پر غالب آ جاتی ہے۔

☆......علوم باطنی کے حامل لوگ اگر اپنے آپ کو کچھ سمجھنا شروع کر دیں تو سمجھ لیں کہ ان کی طلب صادق نہیں رہی اور وہ آب حیات پی کر مر رہے ہیں۔

☆......رائے کی آزادی' جان و مال کا تحفظ' حقوق کی مساوات اگر جمہوریت ہے تو اسلام سے بڑھ کر کوئی اس کی ضمانت نہیں دیتا۔

☆......جب علوم نبوت حال بنتے ہیں تو جس طرح کھانے کی بھوک لگتی ہے اسی طرح نیکی کرنے کے لئے بھی بھوک لگتی ہے پھر نیک عمل بوجھ نہیں بنتا۔

☆......سانس لینا ایک عمل ہے تو جتنے زندگی میں سانس لئے ہیں اس سے زیادہ بار اللہ کا نام لو تو کثرت ذکر ہو گا۔

اسلام اور علوم جدیدہ

ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم اگر دین پڑھنے جاتے ہیں تو وہاں علوم جدیدہ دستیاب نہیں ہوتے اور علوم جدیدہ کے حصول کے لئے جاتے ہیں تو وہاں دین نہیں ملتا یعنی دونوں طرف آدھا آدھا کام ہو رہا ہے۔

گورنمنٹ کالج ویونیورسٹی شاہ پور ضلع سرگودھا کے طلبا سے حضرت امیر المکرم ملک محمد اکرم اعوان مدظلہ کا

خطاب

الحمدللّٰہ رب العلمین۔ والصلٰوۃ والسلام علی حبیبہ محمد وا لہ واصحابہ اجمعین

اعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم۔

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

العلم علمان علم الا دیان و علم الابدان او کما قال رسول اللّٰہ ﷺ

اللھم سبحنک لا علملنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم

مولا یٰ صل وسلم دائما ابداً

علی حبیبک من زانت بہ العصروا

آپ تشریف لائے میں ادارے کی طرف سے آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں اور آپ کا مشکور ہوں کہ آپ نے ہمیں وقت دیا اور اس قابل سمجھا کہ آپ یہاں تشریف لائے۔

اس بات پہ قدیم اور جدید محققین متفق ہیں خواہ وہ مسلم ہیں یا غیر مسلم کہ دنیائے انسانیت میں انسانیت کے حق میں اور بنی آدم کے حق میں سب سے بہترین انقلاب جو انسانی تاریخ میں ہے وہ محمد رسول اللہ ﷺ نے برپا فرمایا اور صرف دو دہائیوں میں برپا فرمایا۔

عالم انسانیت کے لئے دو دہائیاں ایک لمحے کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتیں لیکن حضور اکرم ﷺ نے صرف دو دہائیوں میں عالم انسانیت کو انتہائی پستی سے اُٹھا کر انتہائی عظمتوں سے آشنا کر دیا اور ایسا انقلاب برپا فرمایا جس کے نتائج

آج بھی بلاشک وشبہ دیکھے جا سکتے ہیں۔ ہم جب دنیا کی ترقی یافتہ قوموں کے ترقی پانے کا راز جاننا چاہیں تو ہمیں دیکھنا یہ ہوگا کہ زندگی کے کس کس شعبے میں اُنہوں نے کون کون سا طریقہ اختیار کیا جب آپ یہ دیکھیں گے تو آپ کو سمجھ آجائے گی کہ انہوں نے وہ طریقہ اختیار کیا

آپ اپنے ملک میں دیکھ لیجئے کسی کی دیوار گرجائے یا میاں بیوی میں جھگڑا ہو جائے تو چہ میگوئیاں ہوتی ہیں کہ امریکہ نے کرادیا ہوگا۔بڑی باتوں کو تو چھوڑیں!

جو محمد رسول اللہ ﷺ کا تھا۔ آپ ﷺ کے ارشاد کردہ اصول اگر کافر بھی اپناتا ہے تو دنیوی کامیابیاں اُس کے قدم چومتی ہیں آخرت کا تعلق ایمان سے ہے، ایمان نصیب نہ ہو تو آخرت کا تصور ہی نہیں بنتا اور آخرت کے لئے کوئی کچھ کرتا ہی نہیں آخرت کے لئے ایمان ضروری ہے لیکن ایمان کے بغیر بھی اگر کوئی زندگی کے طریقوں میں وہ سلیقہ اپناتا ہے جو حضور اکرم ﷺ نے تعلیم فرمایا تو دنیوی زندگی میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

اقوام مغرب کو دیکھ لیں کہ آج دنیا پہ اپنی طاقت اپنے علوم اپنی جدید ٹیکنیکی ترقی کے باعث فرماں روائی کر رہے ہیں۔ اور ایک Unvisible ایک ان دیکھی سی حکومت ہے اقوام مغرب کی روئے زمین پر کہنے کو تو وہ اپنے دیس میں بیٹھے ہیں لیکن عملی زندگی میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہر ہر بندہ ہر جگہ یہی سمجھ رہا ہے کہ ہم پر کنٹرول انہی کا ہے، کیسی عجیب بات ہے! آپ اپنے ملک میں دیکھ لیجئے کسی کی دیوار گرجائے یا میاں بیوی میں جھگڑا ہو جائے تو چہ میگوئیاں ہوتی ہیں کہ امریکہ نے کرادیا ہوگا۔ بڑی باتوں کو تو چھوڑیں!

لیکن دوسرا پہلو انہی لوگوں کا دیکھ لیجئے جہاں انہوں نے وہ اصول نظر انداز کر دیئے جو نبی کریم ﷺ نے تعلیم فرمائے تھے وہیں وہ پستی کا شکار ہوئے مثلاً خواتین کے معاملے میں انہوں نے اپنے اصول بنائے آج ان کی اپنی بہو بیٹیاں اس حد پہ جا چکی ہیں جہاں سے واپس لانا خود ان کے بس میں نہیں رہا۔ ساری ترقی کے باوجود ان کی خانگی زندگی اور ان کی گھریلو زندگیاں تباہ ہو چکی ہیں۔ یہی معاملہ انہوں نے مالی

میں نے مغرب میں جا کے دیکھا کہ عالم یہ ہے کہ خود لندن کی سڑکیں جو ہیں ان کے فٹ پاتھ رات سونے والوں سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں

لین دین میں کیا بنیاد سود پر رکھی جس سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا تھا۔ اب جا کر دیکھیں اور میں نے مغرب میں جا کے دیکھا کہ عالم یہ ہے کہ خود لندن کی سڑکیں جو ہیں ان کے فٹ پاتھ رات سونے والوں سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں ایک طرف لارڈز ہیں جو امیر ترین ہوتے چلے گئے اور غریب اتنے غریب ہو گئے کہ خود لندن کی سڑکیں اور سردیوں میں لندن کی سڑکوں کے پل ہم نے ٹھٹھرے ہوئے لوگوں سے بھرے

ہوئے دیکھے جو وہاں رات بسر کرتے تھے اور اب بھی یہی حال ہے۔ پچھلے دنوں ایک تجزیہ شائع ہوا تھا کہ نیویارک کی ساٹھ فیصد آبادی فٹ پاتھ پر سوتی ہے ہم جب باہر سے دیکھتے ہیں تو ہمیں وہ چمکتے ہوئے اونچے مکان نظر آتے ہیں لیکن بے گھر آدمی تو کسی کو نظر نہیں آتے۔

یعنی جہاں جہاں سے انہوں نے وہ طریقے چھوڑے ہیں جو نبی کریم ﷺ نے بتائے تھے وہاں وہ بھی ذلت سے دوچار ہیں۔ اسی طرح حضور ﷺ نے "مسکرات" ایسی چیزیں جو انسانی ذہن کو ماؤف کردیں نشہ آور چیزوں سے منع فرمایا انہوں نے اس کی تجارت کی اب اس معاملے میں وہ انتہائی ذلت سے دوچار ہیں۔

تو میرے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ بحیثیت مسلمان ہم وہ خوش نصیب ہیں جنہیں براہ راست نبی اکرم ﷺ نصیب ہوئے اور

> **عالم انسانیت کے لئے دو دہائیاں ایک لمحے کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتیں لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دو دہائیوں میں عالم انسانیت کو انتہائی پستی سے اُٹھا کر انتہائی عظمتوں سے آشنا کردیا اور ایسا انقلاب برپا فرمایا جس کے نتائج آج بھی بلاشک و شبہ دیکھے جاسکتے ہیں۔**

یہ اللہ کریم کا اتنا بڑا احسان ہے اتنا بڑا احسان ہے کہ اس کی عظمت کو ہم سمجھ نہیں پا رہے ہمیں اپنی عملی زندگی میں اتباع رسالت ﷺ ایک بوجھ سا لگتا ہے ہمیں شریعت پر عمل کرنا پڑے تو ہم خود کو ایک قیدی سا اور ایک مجبور سا محسوس کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں اور ہماری تعلیم اور ہمارے تعلیمی نظام کو ادھورا کر دیا گیا۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم اگر دین پڑھنے جاتے ہیں تو وہاں علوم جدیدہ دستیاب نہیں ہوتے اور علوم جدیدہ کے حصول کے لئے جاتے ہیں تو وہاں دین نہیں ملتا۔ یعنی دونوں طرف آدھا آدھا کام ہو رہا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جسے پورا اور مکمل علم کہا جائے اس کے دو حصے ہیں العلم علمان جسے The Knowledge علم کہیں گے اس کے دو حصے ہیں علم الادیان ایک حصہ آدھا علم ہے Normative Sciences کا علم:۔ ایمان، اخلاق، عقائد، نظریات، مزاج اور دوسرا علم ہے علم الابدان Physical Sciences کا علم۔ نظر آنے والی چیزوں کا علم ان کے بارے معلومات ان کا استعمال ان کے فوائد ان کے نقصانات یعنی دینی اور دنیوی دونوں علوم مل کر علم بنتا ہے ہم اپنے حال پر نظر کریں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ہم اس معاملے میں ادھورے ہیں۔ ہمارا دینی طبقہ علوم جدیدہ سے گریزاں رہتا ہے اور اس طرف جانے سے بعض اوقات روکتا بھی ہے حالانکہ یہ درست نہیں ہے۔ علوم جدیدہ کی اہمیت کو دیکھا جائے تو خود نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں جب بدر کے قیدیوں کا معاملہ پیش ہوا اور یہ فیصلہ ہوا کہ ان

کا فدیہ مقرر کیا جائے اور جو فدیہ دے دے اسے آزاد کر دیا جائے تو بعض ایسے لوگ بچ گئے جن کے پاس کوئی طریقہ فدیہ دینے کا نہیں تھا کوئی ان کا وارث بھی ایسا نہیں تھا جو ان کا فدیہ دے سکے تو وہ معاملہ بارگاہ رسالت ﷺ میں پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر انہیں کچھ لکھنا پڑھنا آتا ہو تو یہ مدینے کے بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ قیدی مشرکین مکہ تھے اور انہیں دین سے واسطہ نہیں تھا دین پر تو ان کا اپنا یقین نہیں تھا اگر کچھ لکھنا پڑھنا تھا تو وہ دنیوی تھا حضور اکرم ﷺ نے اسے بھی اتنی اہمیت دی کہ اگر یہ چند بچوں کو الف ب ج سکھا دیں تو ان کا یہ فدیہ کافی ہے۔ فرمایا۔ ''حصول علم کے لئے جاؤ خواہ چین جانا پڑے'' اس زمانے میں انتہائی دور کا تصور چین کا تھا آجکل جہاں اُردن کی ریاست ہے یہ عہد نبوی ﷺ میں بہت بڑی منڈی ہوا کرتی تھی مشرق و مغرب کی اور اہل ہند بھی اس میں جاتے تھے، سارا مغرب بھی آتا تھا اس وقت چین کے تاجر بھی وہاں جایا کرتے تھے اور سب سے دور جو تصور ہوتا تھا یا جس کے بارے معلومات تھیں لوگوں کے پاس دور ترین ملک وہ چین تھا حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر چین بھی جانا پڑے تو حصول علم کے لئے جاؤ علم دین کا مرکز تو خود

پچھلے دنوں ایک تجزیہ شائع ہوا تھا کہ نیو یارک کی ساٹھ فیصد آبادی فٹ پاتھ پر سوتی ہے ہم جب باہر سے دیکھتے ہیں تو ہمیں وہ چمکتے ہوئے اونچے مکان نظر آتے ہیں لیکن بے گھر آدمی تو کسی کو نظر نہیں آتے۔

آپ ﷺ کی ذات تھی مدینہ منورہ تھا، آپ ﷺ کا ارض حرم دین کی بنیاد تھا، چین میں دین تو نہیں تھا علوم جدیدہ تھے لہذا ضروری ہے کہ ہم اپنی جستجو کو کامل رکھیں۔ جہاں اللہ کریم موقع دے علوم جدیدہ کو حاصل کیجئے میرا یہ تجربہ ہے کہ ہم علم حاصل نہیں کرتے ہم سرٹیفکیٹ چاہتے ہیں ہم سندیں چاہتے ہیں۔ ہماری نظر اس بات پہ ہوتی ہے کہ چلو یہاں ایک سال لگا یہ سند مل جائے گی اس سے ملازمت مل جائے گی یہ اچھی بات ہے۔ طلب رزق حلال فرض عین ہے اور یہ ضروری ہے کہ روزی کے لئے ہم فکر کریں لیکن روزی کا ذریعہ علم نہیں ہے کتنے جاہل ارب پتی ہیں! روزی کے اپنے ذرائع رب العالمین نے بنائے ہیں ہاں جو پڑھا لکھا ہوتا ہے وہ آسانی سے اور بہتر ذرائع اختیار کر لیتا ہے لیکن علم ذریعہ رزق نہیں ہے بلکہ علم ذریعہ معرفت ہے علم کی اپنی ایک حیثیت ہے اور رزق سے بڑھ کر ہے۔ آدمی مفلس رہ سکتا ہے لیکن جاہل رہ جائے تو اس کے دونوں جہاں برباد ہو جاتے ہیں مفلس رہے تو دنیوی زندگی کی تنگی آتی ہے جہالت دونوں عالم برباد کر دیتی ہے تو جہالت جو ہے یہ مفلسی سے بدتر ہے حصول علم رد جہالت کے لئے ہے ہم شمع جلاتے ہیں بے شک اس سے تپش بھی آتی ہے رات ٹھنڈی ہو تو گرمی بھی حاصل کی جاسکتی ہے لیکن اس کا مقصد ظلمت کو اور اندھیرے کو اور تاریکی کو دور کرنا ہے اصل کام اس کا ظلمت کو دور کرنا ہے تو علم کا کام جہالت کا رد ہے۔

تو آپ کے پاس وقت ہے اور آپ حصول علم میں لگے ہیں تو میں یہ چاہوں گا کہ آپ علم کی اہمیت پہ نظر رکھ کر تحصیل علم فرمائیے۔ رزق تقسیم ہو چکا، حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''قلم خشک ہو گئے'' ہر کوئی اپنے حصے کی محنت کرے تو اپنے حصے کا رزق پائے گا الا و ان

النفس لن تموت حتی تستکمل رزقها ۔فرمایا کوئی متنفس دنیا سے اس وقت تک نہیں اٹھتا جب تک اپنے حصے کا دانہ اور پانی پورا نہیں کر لیتا دوسرے کا کوئی کھا نہیں سکتا، اپنا کوئی چھوڑ کے نہیں جاتا یہ نظام الٰہی ہے ربوبیت کا ایک نظام ہے ہم دست قدرت میں مہرے ہیں ہماری تو صرف نیت اور ارادہ دیکھا جائے گا۔ ہوگا تو وہی جو وہ چاہتا ہے ہم تو ارادے باندھتے رہتے ہیں، ہماری نیت کیا ہے، ہم سوچتے کیا ہیں، ہم اس کی اطاعت کی حدود پھلانگ کر اپنا آپ منوانا چاہتے ہیں یا اپنے آپکو مٹا کر اس کی عظمت کا اقرار کرتے ہیں۔ ہمارے کردار میں تو صرف یہ بات دیکھی جائے گی باقی کائنات اس کی اپنی ہے۔

لا تتحرك ذرۃ الا باذن اللہ ۔کوئی ذرہ اُس کی اجازت کے بغیر حرکت کی جرات نہیں کرتا۔ علم اس کی عطا ہے علم نور ہے اور معلم کائنات ہیں آقائے نامدار محمد رسول اللہ ﷺ ۔علم مومن کی میراث ہے، دنیا میں جتنی نعمتیں ہیں یہ مومن کے طفیل موجود ہیں۔ نبی کریم ﷺ سے عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ ﷺ قیامت کب ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔حتی لا یقال اللہ اللہ ۔جب کوئی اللہ اللہ کہنے والا

میرا یہ تجربہ ہے کہ ہم علم حاصل نہیں کرتے ہم سرٹیفکیٹ چاہتے ہیں ہم سندیں چاہتے ہیں۔

نہیں رہے گا تو قیامت قائم ہو جائے گی جب بندۂ مومن دنیا سے اُٹھ جائے گا تو دنیا ختم کر دی جائے گی۔ یہ کائنات اس کی نعمتیں اس کی وسعتیں یہ اس کے مال وزر یہ اسکی آسانیاں اور سہولتیں یہ جدید ٹیکنیک یہ سب مومن کا حصہ ہے یہ ہماری غفلت ہے کہ ہم نے اسے چھوڑ دیا اور کفار اس سے متمتع ہو رہے ہیں اور یہ ہمارے لئے آخرت میں جرم ثابت ہوگا۔ آپ اپنے کسی ملازم کو پیسے دیتے ہیں اسلحہ دیتے ہیں اپنی حفاظت کے لئے اپنے لئے کوئی چیز لانے کے لئے اور وہ مزے سے سوتا رہتا ہے اور دوسرے روز آپ پیسے لے لیتے ہیں بندوق بھی لے لیتے ہیں تو قصور وار کون ہوگا؟ آج اگر جدید ٹیکنیک کفار کے ہاتھوں میں ہے تو اس کے ذمہ دار ہم ہیں کہ ہم سو رہے ہیں۔ ہم نے اپنے منصب کو نہ پہچانا اپنی ذمہ داری کو نہ پہچانا جتنی جدید ٹیکنالوجی ہے اس کی بنیادیں مسلمانوں نے فراہم کی تھیں۔ بحری جہازوں سے لیکر بارود تک اور ہوائی جہاز سے لیکر سیاروں کی تحقیق تک اس سارے کی بنیادیں مسلمان محققین نے فراہم کیں۔ اس وقت مغرب تو Dark Ages میں تھا۔ امریکن اور ان دور دراز مغربی ملکوں کو The Wild Wild West کہتے تھے یعنی دو دفعہ Wild لگاتے تھے West کے ساتھ اور یورپین اقوام کو The Cave Men تاریخ میں لکھا جاتا ہے ''غاروں میں رہنے والے لوگ'' جب نور نبوت سے دنیا چکا چوند ہو رہی تھی تو انہیں مکان بنانا نہیں آتا تھا یہ برصغیر جس میں ہم بیٹھے ہیں آج بھی آپ ان کے ڈرامے ٹیلی ویژن پر دیکھتے ہیں تصاویر دیکھتے ہیں انہیں لباس بنانا تک نہیں آتا تھا یہ اگر کپڑا بن لیتے تھے تو یونہی کپڑے کی چادریں خواتین نے بھی اور مردوں نے بھی لپیٹی

ہوتی تھیں۔ ان سلے کپڑے آپ نے دیکھے ہوں گے بادشاہوں کے بھی تھے تہذیب کا نام کہیں نہیں تھا انسانی تہذیب سے نوع انسانی آشنا نہیں تھی ساری عطا آقائے نامدار ﷺ کی ہے کہ انہوں نے بنی آدم کو انسانی عظمتوں سے آشنا فرمایا۔ آپ ﷺ کی عطا نے ایک عام ضرورت کی چیز سے لیکر بڑی سے بڑی معرکتہ آرا تحریک تک انسانی ذہن کو جلا بخشا یہ ہماری کمزوری ہے کہ ہماری وراثت سے ہمارے دشمن فائدہ اٹھا کر ہم پر حکومت کر رہے ہیں۔ حصول علم کا بلند نصب العین رکھیے کہ اپنی کھوئی ہوئی وراثت اپنی کھوئی ہوئی دولت حاصل کیجیئے۔ تحقیق کے میدان میں قدم رکھیے قوم کو اور آنے والی نسلوں کو تحقیق سے آشنا کیجیئے۔ اللہ سے اپنا تعلق ایسا رکھیئے جیسے ہر بندے کو ہر مومن کو یہ دعویٰ ہوتا ہے کہ اللہ میرا ہے۔ ہم نے نہ اللہ کو اون Own کیا اور نہ اللہ کے حبیب ﷺ کو۔ ہم سمجھتے ہیں اللہ مولوی صاحب کا ہے پیر صاحب کا ہے یہ منا لیں گے۔ دین مولوی صاحب کا حصہ ہے یہ کرتے رہیں گے۔ نہیں، اللہ بھی ہمارا اپنا نبی ﷺ ہمارا اپنے ہیں، دین ہمارا اپنا ہے اُون Own

طلب رزق حلال فرض عین ہے اور یہ ضروری ہے کہ روزی کے لئے ہم فکر کریں لیکن روزی کا ذریعہ علم نہیں ہے کتنے جاہل ارب پتی ہیں!

کیجیئے آپ Own کریں گے تو پھر یقیناً آپ اس کی باریکیوں کو جاننا چاہیں گے، سمجھنا چاہیں گے عمل کرنا چاہیں گے۔ آپ اگر بنظر غور ملا حظہ فرمائیں گے تو دین پر عمل آسان اور دین کے خلاف ہر عمل آپ کو پریکٹیکل مشکل نظر آئے گا۔ کوئی بھی بندہ علیحدہ بیٹھ کر سوچے کہ یہ جو کام میں کرنے چلا ہوں اس کا غیر شرعی طریقہ کیا ہوگا اور اس کا شرعی طریقہ کیا ہے تو یقیناً شرعی طریقہ آرام دہ اور آسان ہوگا۔ باعزت ہوگا ہماری بدقسمتی اور ناواقفیت ہے کہ ہمیں جب دنیا بتائی جاتی ہے تو دین نہیں بتایا جاتا اور جہاں دین بتایا جاتا ہے وہاں دنیا نہیں بتائی جاتی، یہ ہماری بدقسمتی ہے۔ ہمارے ارادوں کو تو جامع ہونا چاہیے دین و دنیا دونوں طرف کی باتوں کا اور بندہ مومن وارث ہے کائنات کا۔ ہماری کمزوری سے کفار اُن نعمتوں پہ چھائے ہوئے ہیں۔ اللہ کریم آپ کو ہمت دے کہ آپ صحیح علم حاصل کریں اور آنے والی نسلوں تک صحیح امانت پہنچائیں۔ آپ تشریف لائے میری گذارشات سنیں آپ کا بہت شکریہ۔ اللہ کرے میں کوئی بہتر بات کر سکا ہوں

جزاک اللہ و احسن الجزاء

اے ایمان والو!
سارے کے سارے اسلام کے اندر آجاؤ

الحمدلله رب العلمین۔ والصلوة والسلام علی حبیبه محمد وا له واصحابه اجمعین

اعو ذ بالله من الشیطن الرجیم۔ بسم الله الرحمن الرحیم

یا ایها الذین امنو ا ادخلو فی السلمه کافة o

اللهم سبحنک لا علملنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم

مولا ی صل و سلم دائما ابدا

علی حبیبک من زانت بـه العصروا

ارشاد باری تعالیٰ ہے اور بڑی عجیب بات ہے کہ خطاب مومنین سے ہے۔ وہ خالق ہے مالک ہے جیسے انسان کا خالق ہے اُسی طرح انسان کی استعداد سوچوں اور فکر کا بھی خالق وہی ہے۔ اُس نے انسان کو انتخاب کا اختیار دیا ہے۔

انا هدینه السبیل اما شاکر او اما کفورا۔ اُسے اختیار ہے کہ وہ شکر کا راستہ اختیار کرنا چاہتا ہے یا نہیں اس اختیار کے پیچھے جو انسانی نفسیات ہے وہ اُسے خوب جانتا ہے۔ دنیا جسے بدنام کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ دنیا بڑی گندی اور بڑی بُری چیز ہے یہ حقیقت نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا بڑی خوبصورت، دنیا بڑی لذیذ اور دنیا اتنی انسانی مزاج کے لئے پسندیدہ چیز ہے کہ انسان اس دنیا کے لئے اپنے خالق کو چھوڑ بیٹھتا ہے اگر یہ خراب ہوتی بدصورت ہوتی بے لذت ہوتی تو بے لذت کو اختیار کر کے وصال الٰہی کی لذتیں کیوں قربان کرتا! یہ بھی اُس کی تخلیق ہے اور اُس نے اتنی خوبصورت بنائی ہے کہ یہی انسان کے لئے امتحان بن گیا۔ یاد رکھیں! اعمال کی ساری عمارت عقائد ونظریات پہ کھڑی ہوتی ہے۔ نظریات میں جب خرابی آتی ہے تو اعمال کی کوئی وقعت نہیں رہتی۔ اعمال کی ساری عمارت ہمارے نظریات پہ کھڑی ہے عمل تھوڑا ہو عقیدہ اور نظریہ صحیح ہو تو وہ قیمت پا جاتا ہے اور عمل بہت زیادہ ہو لیکن اُس کے پیچھے عقیدہ درست نہ ہو تو اُس کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ ہماری مصیبت یہ ہے کہ ہم نے ہزاروں سال کم وبیش ڈیڑھ ہزار برس ہندوؤں کے ساتھ گزارا ہے اور اُس میں ایسے مسلمان حکمران بھی آئے ہیں جنھوں نے اسلام کو تبدیل کر کے ہندو مسلم اتحاد کی کوشش کی ہے اور اسلام میں کافرانہ نظریات شامل کیے ہیں۔

اللہ کے ایسے بندے بھی تھے جنھوں نے بڑا خالص دین اور خالص عمل روشناس کرایا اور ایک عالم کی اصلاح کی لیکن ایسے بھی تھے کہ نصف صدی حکومت کی کم وبیش اکبر اعظم نے اور وہ ہندو مسلم اتحاد کا داعی بنا رہا بلکہ اُس کا جانشین جہانگیر جو تھا وہ ایک ہندو خاتون کا بیٹا تھا اُس کی ہندو بیوی سے تھا تو ہندوؤں مسلمانوں میں شادیاں ہوئیں ایک دوسرے کے نظریات گڈمڈ ہوئے تو بہت سی چیزیں ہمارے اندر ہندوؤں میں سے آگئیں۔

مثلاً میری بہت سی ڈاک یہ ہوتی ہے کہ "جی! میری روزی کسی نے بند کر دی" اب یہ نظریہ اسلام کا اور مسلمان کا تو نہیں ہو سکتا۔ یہ نظریہ یقیناً ہندوؤں سے آیا ہے۔ مسلمان کا تو سیدھا سا عقیدہ ہے کہ رازق اللہ ہے اور جو چیز اللہ دیتا ہے اُسے کوئی روک نہیں سکتا اور جو وہ نہیں دیتا کوئی اُس سے چھین کر لے نہیں سکتا۔ زندگی ایک مسلسل عمل ہے اُس میں اُتار چڑھاؤ ہے اور اُس نے اپنی مرضی سے رکھا ہے۔ وہ اپنے بندوں کو آزماتا ہے کبھی اُنہیں طاقت و قوت دے کر کبھی اُنہیں کمزوری دکھا کر کبھی اُنہیں فتح ہوتی ہے کبھی شکست کا سامنا ہوتا ہے دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ اللہ پر اُن کا اعتماد رہتا ہے یا نہیں۔ خوشحالی میں اور پیسے کی فراوانی میں اللہ اللہ کرتے ہیں یا کبھی فاقے آ جائیں تو بھی اللہ پر اعتبار کرتے ہیں۔

فاما الانسان اذا ما ابتلہ ربہ فاکرمہ و نعمہ. ایک آزمائش یہ ہوتی ہے انسان کی کہ اُس پر بہت مہربانیاں کرتا ہے اور بہت دولت اُسے دیتا ہے۔ واما اذا ما ابتلہ فقدر علیہ رزقہ، اور جب کوئی آزمائش آتی ہے تو وہ چیزیں تنگ کر دیتا ہے دولت میں کمی آ جاتی ہے، وقار میں کمی آ جاتی ہے، اختیار میں کمی آ جاتی ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ یہ کس حال میں مجھ پہ بھروسہ کرتا ہے۔ وہ جانتا ہے، وہ جاننے کے لئے نہیں آزماتا وہ ہمیں بتانے کے لئے آزماتا ہے کہ روزِ محشر جب ہم اُس کے سامنے جائیں گے تو ہمارے اعمال ہمارے سامنے رکھ کر کہے گا کہ دیکھو تم نے کہاں کہاں مجھ پر بھروسہ کیا اور کہاں کہاں میرے دامنِ رحمت کو چھوڑ گئے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ شاید یہ کمی میری طرف سے ہی ہے کہ اتنا عرصہ اللہ اللہ کرنے کے بعد کم از کم آدمی کی سوچ تو کافر سے مختلف ہو جائے۔ یہ تو پتہ چلے کہ یہ سوچ مسلمان کی ہے اور وہ سوچ کافر کی ہے اگر ہم اپنی فکر ہی الگ نہیں کر سکے، مسلمان تو دنیا میں بالکل ایک الگ تھلگ چیز ہے کسی معاشرے میں کسی سوسائٹی میں کسی حال بھی ہو وہ پہچانا جاتا ہے۔ مسلمان بے اختیار ہوتا ہے، مسلمان کے اختیارات اللہ اور رسول ﷺ کے پاس ہوتے ہیں۔ جو حکم وہاں سے ہوتا ہے اُس پر عمل کرتا ہے اُس کا اپنا اختیار نہیں ہوتا۔ باقی دنیا جو دنیائے کفر ہے وہ اپنی پسند کے لوگ ہیں جیسے جی چاہتا ہے ویسے جیتے ہیں اُن کا اپنا حساب ہوگا مومن کا اپنا حساب ہوگا۔ اس صورتِ حال کو قرآن کریم نے یہاں واضح کیا ہے۔

یا یھاالذین امنو۔ دیکھو کیسی عجیب بات ہے کہ جب ایمان لے آئے فرمایا نہیں ایمان تو لے آئے۔ ادخلو فی السلم کافتہ. سارے کے سارے اسلام کے اندر آ جاؤ یہ نہ ہو کہ ایمان تو لے آئے لیکن کردار کافروں کا ہے۔ ایمان تو لے آئے لیکن سوچ غیر اسلامی ہے۔ ایمان تو لے آئے اور سود بھی کھا رہے ہیں۔ ایمان تو لے آئے بدکاری بھی ہو رہی ہے۔ ایمان تو لے آئے اور چوری بھی کر رہے ہیں۔ بھئی! یہ کونسا اسلام ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ایمان لانے کے بعد بھی شیطان کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔

ولا تتبعو اخطوت الشیطن۔ خطوۃ کہتے ہیں نقش قدم کو۔ خطوات جمع ہو گئی کہ پھر ایمان لانے کے بعد یہ زیب نہیں دیتا کہ آپ شیطان کے نقوش پا پہ قدم بقدم چلو۔ آپ کے لئے تو محمد رسول اللہ ﷺ کے نقوش پا ہیں۔ ایمان لانے کے بعد نقش کف پائے رسول اللہ ﷺ کو تلاش کرو۔ اپنی سوچوں کو خود تو لو قرآن کے آئینے میں قرآن کے ترازو میں اپنی سوچوں کو خود تو لو حدیث کے ترازو میں تو لو۔ دو طرح کے لوگوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ اتنا عرصہ ذکر اور اللہ اللہ کرنے کے بعد نظریات میں پھر وہیں بیٹھے ہوتے ہیں جہاں ہندو بیٹھا ہوتا ہے کہ جی! میری روزی کسی نے بند کر دی، میرے بچے پر کسی نے جادو کر دیا یہ یورپ میں امریکہ میں ان کافروں کی روزی کیوں بند نہیں ہوتی۔ کہیں یہ

نظریہ نہیں پایا جاتا سوائے ہندوستان کے اور ہندوستان میں ہندوؤں کی وجہ سے ہے۔ اُن کے نظریات ایسے ہیں اُن کا مذہب ہی ایسا ہے۔ میں ایک دفعہ دوبئی تھا ساتھیوں نے جو گاڑی مجھے دی اُس کا ڈرائیور ایک ہندو تھا ایک دن کہیں جانا تھا تو وہ دیر سے آیا میں نے اُس سے پوچھا بھئی! کہ آپ نے دیر کردی کہنے لگا جی! آج ہمارا ایک تہوار تھا اور یہ بڑا ضروری ہوتا ہے سال میں ایک دن ہوتا ہے تو میں نے اُس سے تفصیل پوچھی کہ اس میں تم کیا کرتے ہو تو وہ کہنے لگا کہ جی! ہم کچھ اپنی رسومات کرتے ہیں ہر گھر میں ہم نے بت رکھے ہوئے ہیں اُن کی پوجا پاٹ کرتے ہیں کچھ دیئے جلاتے ہیں اور پھر آٹے کا ایک ''پیڑھ'' بناتے ہیں اور وہ جا کر کہیں راستے میں پھینک دیتے ہیں۔ میں نے کہا اُس کا کیا فائدہ کہنے لگا اُس پر جس کا پاؤں آ گیا ہماری ساری بیماریاں اُس کو چمٹ جاتی ہیں۔ یہ اُن کا نظریہ ہے، عقیدہ ہے۔ اَب اسلام ایثار سکھاتا ہے کہ دوسرے کی تکلیف اگر تم لے سکو شیئر کر سکو اُس کی مدد کرو۔ بالکل مختلف عقیدہ ہے۔ اسلام یہ سکھاتا ہے کہ دوسرے کی پریشانی اگر کم کر سکو تو کوشش کرو۔ اُن کا مذہب یہ سکھاتا ہے کہ اپنی پریشانیاں اکٹھی کر کے دوسرے پہ مڑھ دو۔ تو کتنا دِن اور رات کا فرق ہے! اس طرح کی منفی سوچیں جو آتی ہیں کہ فلاں نے مجھے بیمار کر دیا، فلاں نے میرا بیٹا چھین لیا۔ بھئی! ہر بندہ اپنے کردار کا خود مکلف ہے اگر کسی کے عمل سے وہ بدکار ہو گیا تو اس کا مطلب ہے اللہ کے نظام میں اتنی کمزوری ہے کہ جس کا جی چاہے دوسرے کی کل مروڑ دے۔ اُس نے تو ابلیس سے بھی کہہ دیا تھا کہ

ان عبادی لیس لک علیھم سلطن۔ جو بندے میرے ہونگے اُن پر تیرا بس نہیں چلے گا۔ اب ابلیس سے طاقتور برائی کونسی ہے اُس نے روزِ ازل ہی ابلیس کو بتا دیا۔ ہاں میرے نہ بنے تو پھر تو جان وہ جانیں۔ تو اگر ہے تو پھر تو فکر کی بات نہیں۔ روز صبح شام آپ مراقبہ کرتے ہیں۔ وھو معکم این ما کنتم۔ تم جہاں کہیں ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ ونحن اقرب الیہ من حبل الورید۔ وہ شہہ رگ سے بھی قریب ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ ہمارے اندر موجود ہے دِل میں موجود ہے۔ رگِ جاں سے زیادہ قریب ہے اس کے برعکس یہ سوچ کہ وہ مجبور ہے بس ہے اور ہم پر جادو ہوئے جا رہے ہیں یہ نظریات اسلامی نہیں بنتے۔ اللہ اللہ کرنے سے مراد یہ نہیں ہے کہ آپ نے صبح شام اللہ اللہ کر لی اور آپ جنت کے ٹھیکیدار بن گئے اور آپ ولی اللہ ہو گئے اور اَب لوگ آپ کے پیچھے پیچھے پھریں۔ اللہ اللہ کرنے سے مراد اور ذکر کا سب سے پہلا حاصل یہ ہے کہ عقائد و نظریات اور سوچ و فکر درست ہو۔ یہ درست ہو گی تو اعمال درست اور صحیح ہوں گے۔ اگر یہ درست نہ ہو گی تو اتفاقاً جو عمل صحیح ہو گا وہ بھی قابل قبول نہیں ہو گا چونکہ عمل کی بنیاد نیت اور فکر پر ہے۔

انما الاعمال بالنیات۔ تو میرے بھائی! سب سے زیادہ اپنی تفتیش کیا کرو ہم دوسرے کی کرتے ہیں، ہماری عادت ہے کہ ہم رات دن دوسرے کی کھوج میں رہتے ہیں کہ اس نے کیا کہا اس نے کیا کھایا، اس نے کیا کیا اُس کو چھوڑ وہ اپنا حساب خود دے گا سب سے زیادہ تفتیش اپنی کیا کریں کہ میں نے دِن بھر میں کیا کیا۔ رات میری کیسے گزری۔ میں نے کیا سوچا کیا بُرا سوچا یہ حساب ضروری ہے۔ اگر احتساب ہو گا تو اصلاح ہو گی۔ احتساب نہیں ہو گا تو زندگی ضائع ہو جائے گی۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اپنا احتساب کرتے رہو اس سے پہلے کہ تمہارا احتساب کیا جائے۔ اپنا حساب خود جانچتے رہو اُس وقت سے پہلے جب تم سے حساب لیا جائے۔

اور اگر ذکر اذکار سے بھی اصلاح نہیں ہوتی تو یہ تو ''لائف سیونگ ڈرگ'' اور آخری علاج ہے اس کے بعد تو کوئی ایسا علاج نہیں جو اس بیماری

کو درست کر سکے یہ آخری علاج ہے فائنل ہے۔ تو یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم بہت بڑے آدمی بن جائیں یہ ضروری ہے کہ کم از کم ہم آدمی اور انسان بن جائیں۔ کم از کم شیطنت کا جو حصہ ہے، شیطان کا جو حصہ ہے وہ ہم سے نکل جائے اور جو انسان بن گیا اُس نے سارے کمالات پالئے۔ ساری عظمتیں انسان کے لئے ہیں جو انسان بن گیا اُسے وصول حق بھی نصیب ہوگا۔ بارگاہ نبوت ﷺ میں بھی قبول ہوگا آخرت کی شرمندگی سے بھی بچے گا۔ دنیا کی ذلت سے بھی اللہ اُسے بچائے گا لیکن اگر انسان ہی نہ بن سکا تو اس آیہ کریمہ میں یہی تنبیہہ ہے۔

یا ایھا الذین امنوا. دیکھیں اللہ کریم نے کفار کو یا عام انسان کو مخاطب نہیں فرمایا اُس سے بات کی ہے جو اپنے آپ کو مومن کہتا ہے، جو کلمہ حق پڑھتا ہے، جو نماز روزہ کرتا ہے اپنے آپ کو مومن سمجھتا ہے۔ فرمایا یوں مزا نہیں آتا بات جب ہے کہ ادخلوا فی سلم کافۃ. سارے کا سارا اسلام کے اندر آجائے غلطی کوتاہی ہو جانا یہ الگ بات ہے۔ اُس کا علاج تو یہ ہے اُس کا علاج آئندہ غلطی سے اجتناب ہے۔ غلطی نہ کرنا ہے۔ توبہ کا مطلب ہوتا ہے کہ جو کچھ ہو چکا وہ آئندہ نہیں دہراؤں گا۔ توبہ کا مفہوم یہ ہے کہ جو غلطی مجھ سے ہوئی میں وہ دوبارہ نہیں کروں گا۔ میں اُس سے بچنے کی پوری کوشش کروں گا اور اگر پھر ہو جائے تو پھر بھی علاج توبہ ہی ہے۔

نبی کریم ﷺ جو شافع محشر ہیں وہ فرماتے ہیں کہ استغفار پڑھا کرو استغفار توبہ ہی ہے فرماتے ہیں کہ سو مرتبہ تو میں بھی دن میں پڑھتا ہوں۔ تو میری گذارش یہ ہے کہ اپنی پوری توجہ اپنی اصلاح پہ دیجئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میری دن رات کی محنت سے مراد یہ ہے کہ کچھ لوگ ایسے دنیا میں ہوں جنہیں دیکھ کر کوئی کہہ سکے کہ مسلمان ایسے ہوتے ہیں۔ جن کا کردار جن کی گفتار، جن کا لوگوں کے ساتھ تعلق جن کے معمولات ایسے ہوں کہ اُنہیں دیکھ کر یہ کہا جا سکے کہ مسلمان اس طرح کے ہوتے ہیں۔ تو اللہ کریم ہمت اور توفیق دے اپنا محاسبہ کیجئے اور اس محنت کا ثمر حاصل کیجئے ہمارا کیا ہے ہماری تو نوکری ہے کیے جارہے ہیں کوئی بھی آئے ہماری ذمہ داری ہے کہ اُسے اللہ اللہ بتائیں۔ آگے وہ کیا کرتا ہے یہ معاملہ اُس کے اور اُس کے رب کے درمیان ہے۔ اپنی کوتاہیوں سے ڈرتا رہتا ہے کہ کہیں اپنی نوکری میں کوئی غلطی نہ کریں۔ کوشش یہ کی جاتی ہے کہ ہر ایک کو تسلی سے دلجمعی سے اللہ اللہ بتائی جائے اور کبھی میں نے کوشش نہیں کی کہ کسی کے ساتھ ذاتی مراسم بڑھائے جائیں اور وہ بڑا امیر ہے اور اُس سے یہ فائدہ ہوگا یا وہ بڑا حاکم ہے اُس سے یہ فائدہ ہوگا، یہ کبھی کوشش نہیں کی۔ سب سے بڑا حاکم بھی وہ ہے اور سب سے بڑا دینے والا بھی وہ ہے۔ اللہ کریم آپ سب کو توفیق دے آپ سب کی محنت قبول فرمائے۔ اپنا محاسبہ بھی کیجئے اپنی کارکردگی دیکھیے اور ساری زندگی اس میں گزار دیجئے کہ میں کیسے بچوں۔ بندہ تو وہ ہے جو دوسروں کو بھی بچانے کا سبب بن جائے۔ نہ صرف خود کو بچائے بلکہ اللہ کے دوسرے بندوں کو بھی دوزخ سے بچانے کا سبب بن جائے۔ اللہ کریم کے نزدیک سب سے پسندیدہ بندہ وہ ہے جو خود بھی اللہ کے غضب سے بچنے کی کوشش کرے اور دوسروں کو بھی اللہ کے غضب سے بچانے کی کوشش کرے۔ ہمارے ہاں تبلیغ میں بھی یہ نقص آگیا ہے کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہم نے فلاں آدمی کو فتح کرلیا اور اُسے اپنے ساتھ ملا لیا۔ کسی نے کسی کو فتح نہیں کرنا ہوتا بلکہ اُس کی بھلائی میں اور اُس کو اللہ کی مخلوق سمجھ کر دردِ دل اور ہمدردی کے ساتھ کوشش کی جائے کہ اللہ کا کوئی بھی بندہ اللہ کی ناراضگی سے بچ کر اُس کے دروازے پہ آجائے تو یہ بھلی کوشش ہے اللہ کریم اس سے بہت خوش ہوتے ہیں اور قبول فرماتے ہیں۔

سوال و جواب

سوال :۔ آج کل یہ طرزِ فکر عام ہے کہ اپنے آپ کو بہتر کرو، خود کو نیکی پر کار بند رکھو لیکن دوسروں کو کچھ نہ کہو۔ اس طرزِ فکر کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دین کے اور ایمان کے دو حصے ہیں پہلا شعبہ ہے ''احقاق حق''۔ حق کو قبول کرنا، حق پر عمل کرنا اور حق کو پھیلانا۔ احقاق حق سے مراد یہ ہے کہ حق کو قبول بھی کرے، مانے بھی یقین بھی کرے اُس پر عمل بھی کرے اور اسے دوسروں تک پہنچانے کی بھرپور سعی بھی کرے۔ لیکن یہ آدھا کام ہے دوسرا شعبہ ہے ''ابطال باطل'' باطل کا انکار بھی کرے اُس سے بچنے کی بھرپور کوشش کرے اور دوسروں کو اُس سے بچانے کی بھرپور سعی کی جائے اگر آدمی اسی بات پہ رہ جائے کہ میں ایمان تو لے آیا ہوں اور اگر میں غلط کو غلط کہوں گا یا کفر کو کفر کہوں گا یا باطل کو باطل کہوں گا تو ایک خواہ مخواہ کی دشمنی بنے گی جو جس کا جی چاہے کرتا رہے میں مانتا ہوں یہ مکمل ایمان نہیں ہے۔ قرآن حکیم میں آپ دیکھتے ہیں کہ جہاں بھی ایمان لانے کی بات ہوئی ہے وہاں کفر کو رد کرنے کی بات بھی ہوئی ہے۔ دونوں شعبے ہیں ایمان کے۔

نبی کریم ﷺ کے ساتھ مخالفت میں ساری باتوں سے عاجز آ کر اہل مکہ نے پھر یہ کوشش کی کہ آپ ﷺ اپنا دین رکھیں، مانیں آپ ﷺ اپنا دین بیان کریں جس کا جی چاہتا ہے وہ آپ کا دین مان لے لیکن ہمیں کیونکہ ایک جگہ رہنا ہے مل جل کر رہنا ہے پھر جو ہمارا دین صدیوں سے آ رہا ہے ہمارے آباؤ و اجداد سے آ رہا ہے جن چیزوں کو یا جن ناموں کو یا جن بتوں کو ہم خدا مانتے ہیں آپ ﷺ اُن کا ابطال نہ کریں اُنہیں غلط نہ کہیں۔ ورنہ تو مکہ مکرمہ میں کم وبیش دنیا کا ہر مذہب ہی موجود تھا اس لئے کہ عرب تاجر لوگ تھے۔ تجارتی قافلے لے کر دور دراز ممالک میں جاتے تو جہاں جاتے وہاں سے کوئی نہ کوئی نئی خرافات بھی ساتھ لے آتے تو بہت سے ادیان باطلہ مکہ مکرمہ میں موجود تھے، بتوں کے پجاری تھے، جنوں کو پوجنے والے تھے، جانوروں کے پجاری تھے، فرشتوں کو پوجنے والے تھے، سورج کو پوجنے والے تھے، آگ کے پجاری تھے، بہت سے ادیان گڈمڈ ہو چکے تھے تقریباً دنیا کا ہر مذہب کسی نہ کسی صورت میں وہاں موجود تھا۔

لیکن وہ سارے مل جل کر گزارہ کر رہے تھے جو سورج کو پوجتے تھے وہ بتوں کے پوجنے والوں کو بتوں کی پوجا سے نہیں روکتے تھے وہ دوسروں کو جو فرشتوں کو پوجتے تھے انہیں منع نہیں کرتے تھے۔ یہ سارے اپنا اپنا کام تو کر رہے تھے لیکن یہ نہیں کہتے تھے کہ یہ حق ہے اور یہ غلط ہے وہ اس لئے بھی ممکن تھا کہ سارے ہی باطل تھے اب باطل باطل کو کیا روکے گا تاریکی تاریکی کا کیا بگاڑے گی۔ لیکن روشنی یا نور وہ تو ضد ہے تاریکی کی۔ جہاں بھی آئے گا جتنا بھی آئے گا اتنا تاریکی کو نور میں تبدیل کرے گا۔ اب ایک جگنو کی کیا حیثیت ہے کہ

چھوٹا سا ایک کیڑا ہوتا ہے اور ذرہ سی روشنی ہوتی ہے لیکن جتنی بھی تاریکی ہو جگنو اس کے سینے میں سوراخ کر رہے ہوتے ہیں۔

جاء الحق و زھق الباطل. جب حق آیا تو باطل کو بھاگنا پڑا، جانا پڑا، رخصت ہونا پڑا کیونکہ حق و باطل دو چیزیں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں ایک نور ہے ایک ظلمت ہے ایک روشنی ہے ایک تاریکی ہے۔

تو بالآخر انہوں نے بڑے بڑے سرداروں کو جمع کر کے وفد ترتیب دیا اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ بات پیش کی کہ آپ ﷺ اپنے دین پہ قائم رہیے۔ آپ ﷺ اپنا دین بیان کیجیے۔ اپنے پروردگار کی باتیں کیجیے لیکن اس حد تک کیجیے کہ میرا خدا ایسا ہے میرا پروردگار ایسا ہے، میرا مالک ایسا ہے۔ آپ اس کو مانو اس کی عبادت کا یہ طریقہ ہے۔ یہ سارا کچھ آپ کیجیے ہم آپ ﷺ سے تعرض نہیں کرتے لیکن ہمارے خداؤں کو، ہمارے دین کو، جنہیں ہم مانتے ہیں انہیں آپ غلط نہ کہیے باطل نہ کہیے۔ آپ ﷺ اُن کا انکار نہ کیجیے تو پھر ایک جگہ گزارہ ہو سکتا ہے۔ جیسے پہلے بہت سے ادیان ہیں اور ہم آپس میں گزارا کر رہے ہیں اور اس معاملے میں بڑی پیشکش بھی کی۔ نبی کریم ﷺ کا جواب آج بھی سنہری حروف میں موجود ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم تو زمینی دولت کی اور حکومت کی اور ریاست کی بات کرتے ہو۔ تم اگر آسمان سے چاند اور سورج بھی لے آؤ ایک ہاتھ پہ چاند دوسرے پہ سورج رکھ دو تو بھی میں وہی کہوں گا جو میرا رب مجھے کہنے کا حکم دیتا ہے باطل کو باطل کہنا میرے فرائض میں ہے، حق کو حق کہنا میرے فرائض میں ہے۔

یہ ضروری نہیں کہ نوع انسانی سے بندہ نفرت شروع کر دے دوسروں کو مار دھاڑ شروع کر دے دوسروں سے جینے کا حق بھی چھین لے۔ نہیں، ہر انسان کو زندہ رہنے کا حق حاصل ہے، بغیر حکم شرعی اُس سے نہیں چھینا جا سکتا۔ زندگی لینا اس کا کام ہے جو زندگی دیتا ہے اور اگر وہ حکم دیتا ہے تو کسی کی زندگی ختم کی جاتی ہے یہ اس کا کام ہے شریعت حکم دیتی ہے تو وہ اللہ کا حکم ہے رسول اللہ ﷺ دیتے ہیں تو اللہ کا حکم ہے جس نے زندگی دی ہے وہ لے سکتا ہے جو زندگی دے نہیں سکتا اسے لینے کا بھی حق نہیں ہے۔ ہر انسان کو زندہ رہنے کا حق حاصل ہے یہ اسے اللہ نے دیا ہے جب زندہ رہتا ہے تو زندگی کی ضروریات کا حق اس کے ساتھ ہوگا۔ اسے کاروبار کرنے کا حق بھی ہے اس کی عزت مال جان آبرو کے تحفظ کا حق ہے یہ سارے حقوق اسے اس ایک حق میں مل جاتے ہیں کہ اسے زندہ رہنے کا حق ہے۔

دوسرا حق جو ہر انسان کو اللہ نے دیا ہے وہ مذہب اختیار کرنے کا حق ہے اس کا دل چاہے تو وہ حق کو قبول کرے نہ دل چاہے تو کافر ہی رہے بندوق کی گولی سے یا لاٹھی مار کر یا زبردستی کسی سے دین منوایا نہیں جا سکتا، اس کی اجازت نہیں ہے۔ یعنی دو بنیادی حق ہیں زندہ رہنا اور عقیدہ اپنی پسند کا رکھنا۔ یہ دونوں حقوق ہر بندے کو حاصل ہیں۔

غزوات نبوی ﷺ میں مشرکین بت پرست جنگ میں قید ہو کر آتے اور قیدیوں کو غلام بنا دیا جاتا لیکن جو بہترین سلوک تھا وہ اسلام نے قیدیوں سے کیا ورنہ قیدیوں کا جو حشر ہوتا تھا اور جو ہوتا ہے جو آج ہو رہا ہے وہ بھی آپ روزمرہ کی خبروں میں سن رہے ہوتے ہیں پڑھ رہے ہوتے ہیں جو کچھ ابوغریب جیل میں ہوا جو کچھ گوانتاناموبے میں ہوا، جو افغانستان قلعے کے قیدیوں پہ بیتی اکھٹے قتل کر دیے گئے۔ تو پہلے بھی ایسا ہوتا تھا اور اب بھی ایسے ہی ہو رہا ہے۔ اسلام نے قیدیوں کو زندہ رہنے کا حق دیا صرف اُن کی آزادی سلب کر لی۔ لیکن غلامی میں بھی حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو خود کھاتے ہو انہیں بھی کھلاؤ، جیسا خود پہنتے ہو ویسا انہیں پہناؤ، جس کام کی ان میں طاقت نہ ہو وہ کام کرنے کا حکم نہ دو اور ان کے مذہبی امور میں

مداخلت نہ کرو اگر کوئی بت پوجتا ہے قیدی ہے اسے بت پوجنے کا حق ہے اسے اس کا جواب اللہ کے ہاں دینا ہے۔ مدینہ منورہ رہ کر وہ اپنے اپنے دین پر رہے تو کوئی تعرض نہیں کرتا تھا، کوئی نہیں روکتا تھا۔تو دو بنیادی حقوق ہر بندے کو حاصل ہیں اللہ نے زبردستی منوانا ہوتا تو وہ قادر تھا ہر ایک کو دین حق پہ ہی پیدا کرتا وہ اس کی اطاعت کرتا رہتا یہی تو آزمائش ہے انسان کی کہ اسے اختیار دیا گیا۔انا ھدینہ السبیلہ اما شاکرا واما کفورا۔وہ چاہے تو اللہ کا شکر اختیار کرے چاہے تو ناشکری اختیار کرلے۔راستہ بتا دیا ہے، راستہ دکھانا دین پہنچانا فرض ہے لیکن اس لئے نہیں جیسے آپ نے دیکھا ہوگا کہ اکثر علماء کے ناموں کے ساتھ یہ عقیدت مند حضرات لکھ دیتے ہیں فلاں فاتح قادیان، فاتح فلاں اور فاتح فلاں۔کسی کو فتح کرنے کے لئے دین نہیں سمجھایا گیا۔دین پہنچایا جاتا ہے اللہ کی طرف سے فرض ہے،ہم پر دوسروں تک پہنچانا اب اگر وہ مانتا ہے تو وہ ہمارا بھائی ہے وہ فتح نہیں ہوگیا بلکہ وہ قابل احترام ہوگیا، قابل عزت ہوگیا۔وہ مفتوح نہیں ہوگیا۔کہ وہ ہار نہیں گیا یہ سمجھ لینا کہ میں نے اسے یہ مسلمان نہیں تھا میں نے اسے اسلام سکھایا اور میں نے اسے فتح کرلیا تو یہ غلط ہے وہ فتح نہیں ہوگیا۔شاید اللہ اسے قبول کرلے ہم سے بہتر مسلمان بن جائے بلکہ تجربہ یہ ہے کہ ہم جو موروثی مسلمان ہیں میرا تجربہ یہ ہے کہ جو نومسلم اپنی پسند سے اسلام اختیار کرتے ہیں وہ عمل میں ہم سے بہتر ہوتے ہیں ہم سستی کرتے ہیں وہ اتنی سستی نہیں کرتے۔

تو دین کا پہنچانا ہماری ذمہ داری ہے اور اگر کوئی قبول کرلے وہ بھی اللہ کا احسان ہے اور جو قبول کرنے والا شاید ہم سے اللہ کے نزدیک زیادہ محترم ہو جائے اس لئے وہ فتح نہیں ہوتا۔اگر آپ اسی لئے اسے بات پہنچائیں بھی کہ میں اس کو ہرا کر اس کو فتح کرلوں تو عین ممکن ہے کہ ہم اسے دین منوانے کی بجائے اسے بے دینی پہ اصرار کرنے پہ مجبور کردیں۔یہ دلوں کی بات ہوتی ہے جو باتیں ہم زبان سے نہیں کرتے وہ دل آپس میں کرلیتے ہیں۔آپ کو تجربہ ہوگا۔اگر نہیں ہے تو اب کرلیجئے گا کہ ایک بندے کو آپ دل سے اچھا نہیں سمجھتے لیکن جب بھی ملتا ہے زبانی اس کی بڑی خوشامد کرتے ہیں۔وہ کبھی آپ کو دل سے اچھا نہیں سمجھے گا۔وہ دل کی بات اس کے دل میں کوئی چلی جاتی ہے کہ یہ مجھے خواہ مخواہ بے وقوف بناتا ہے کہ یہ دل سے مجھے اچھا نہیں جانتا ایک بندے سے آپ دل سے محبت کرتے ہیں خواہ اس سے تلخ کلامی بھی کرلیں تو اس کے دل میں وہ رنجش نہیں آتی وہ دل سے آپ سے محبت کرتا رہتا ہے۔چونکہ جو دل میں ایک کیفیت ہوتی ہے وہ منعکس ہو جاتی ہے اس کے دل میں۔میں اگلے دن دیکھ رہا تھا وائلڈ لائف کے پروگرام میں دکھا رہے تھے کہ کسی جنگل میں کسی ہاتھی پہ کوئی اُفتاد پڑتی ہے تو اس طرح سے وہ چیختا یا چنگھاڑتا ہے تو وہ چنگھاڑ یا اس کا ارتعاش زمین میں سفر کرتا میلوں تک چلا جاتا ہے اور میلوں میں جو ہاتھی ہوتے ہیں کھڑے ہوئے وہ فوراً اس کے ارتعاش سے محسوس کرلیتے ہیں کہ خطرہ ہے کوئی دور سے اور وہ ایک تجربہ دکھلا رہے تھے کہ جب کسی ہاتھی پہ حملہ ہوا شیروں کا یا کسی چیز کا اور وہ رویا اور چنگھاڑا تو وہ انہوں نے ریکارڈ کرلیا۔اب وہ ریکارڈ جب انہوں نے بجایا تو میلوں دور کھڑے ہاتھی جو تھے وہ خبردار ہو گئے الرٹ ہوگئے اور چھوٹے بچوں کو درمیان میں دے کر بڑے بڑے ادھر ادھر کھڑے ہوگئے کہ کوئی خطرہ ہے کوئی مصیبت ہے۔

جس میں اللہ کریم کا ایسا نظام ہے کہ میلوں دور وہ زمین میں جو ہلکا سا ارتعاش پیدا ہوا انہوں نے خطرہ محسوس کرلیا کتنے بڑے کتنے موٹے ہوئے ہیں لیکن وہ معمولی سا ارتعاش محسوس کرکے جانور بھی سمجھ رہے ہیں کہ کہیں کوئی خطرہ ہے اگر اتنی حساسیت جانوروں کو

دے دی گئی ہے تو انسان تو انسان ہے۔

تو جو دل میں ہوتا ہے اس کی جو لہریں بنتی ہیں اس کی جو ویوز WAVES بنتی ہیں وہ اگلے کا دل بھی محسوس کر لیتا ہے۔ اس لئے تبلیغ کی شرط اولیں ہے کہ جسے آپ دین کی بات بتانا چاہتے ہیں اس سے محبت ہو اور آپ خلوص دل سے یہ چاہتے ہوں کہ یہ کفر سے یا کفر پر خاتمے سے یا اللہ کے عذاب سے بچ جائے اس کی خیر خواہی کا جذبہ دل میں ہو تو یہ آپ کی ''فیلنگز'' جب اس کے دل میں جائیں گی تو وہ شاید آپ کی طرف توجہ دے۔

انبیاء علیھم السلام سے زیادہ مہذب کون ہو گا جنہیں تہذیب و اخلاق اللہ کی طرف سے عطا ہوتا ہے سکھایا جاتا ہے اور فرعون سے زیادہ برا انسان کون ہو گا جو خدائی کا دعوے دار بنا بیٹھا ہے جسے چاہتا ہے تباہ و قتل و غارت کر دیتا ہے ظلم کر رہا ہے انسانوں پر حضرت موسیٰ اور ہارون علیھم السلام کو اللہ کریم نے جب بھیجا فرعون کی طرف تو تعلیم بھی فرمائی فقولا لہ قولا لینا۔ گستاخ ہے یا کافر ہے یا مجرم ہے تو میرا ہے آپ علیہ السلام جب اس سے بات کریں گے تو بات بڑے مزے سے کیجئے گا۔ بڑے نرم اور دھیمے لہجے میں کیجئے گا بڑے پیار سے بات کیجئے گا۔ یہ نہیں کہ تیری ایسی تیسی تم کیوں ایسے ہو۔ بڑے مزے سے بڑے پیار سے وہ جانتا ہے کہ فرعون مانے گا نہیں اسے علم تھا کہ فرعون غرق ہو گا۔ اللہ سے تو کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے لیکن حق پہنچانے کا جو طریقہ ہے چونکہ نبیوں سے ساری مخلوق تک وہ بات پہنچتی ہے اور قرآن حکیم میں بھی اس کا ذکر آیا ہم تک بھی وہ بات پہنچی کہ طریقہ کار کیا ہے۔

تو ایمان کے یہ دو جزو ہیں پہلا جزو ہے کہ حق کو مانے بھی اپنائے بھی پھیلائے بھی باطل کا انکار کرے اور خلوص سے کرے چونکہ وہ غلط ہے اسے غلط سمجھے اس سے بچنے کی بھرپور کوشش کرے اور اللہ کی مخلوق کی خیر خواہی کے لئے دوسروں کو بچانے کی سعی بھی کرے اللہ نے مختلف اوصاف دیے ہیں کسی کو قوت بیان دی ہے کسی کو قوت تحریر دی ہے کوئی لکھتا بھی نہیں بولتا بھی نہیں لیکن اس کا کردار ہوتا ہے کہ اسے دیکھ کر لوگ سدھرتے چلے جاتے ہیں تو جو جو استعداد جو جو طریقہ کار اللہ نے دیا ہے اس کے مطابق اللہ کی مخلوق کی بھلائی کی کوشش کرنا اور انہیں گناہ سے کفر کی ظلمت سے بچانے کے لئے کوشش کرنا یہ دونوں حصے ہیں ایمان کے۔ دو میں سے پہلے کو چھوڑ دو تو دوسرے کا مدار اس پر ہے اگر پہلا حصہ چھوڑ دیا جائے تو وہ بنیاد ہے تو اس پر آگے عمارت کیا بنے گی۔ لیکن پہلا بنیاد ہے اور اس پر عمارت ہے باطل کا ابطال باطل کو باطل ثابت کرنا لہذا یہ یاد رکھیں! محنت کریں دین سیکھیں دین پر عمل کریں اور کوشش کریں بڑے پیار سے بڑی محبت سے خیر خواہی کے جذبے سے کہ دوسرے بھی ان برکات سے مستفید ہوں، گناہوں سے بچ جائیں اگر مسلمان ہیں تو اللہ انہیں گناہوں سے بچنے کی توفیق دے مسلمان نہیں ہیں تو اللہ اسے ایمان لانے کی توفیق دے اس کے لئے بھرپور کوشش کرنا بھی جزو ایمان ہے، ایمان کا حصہ ہے سب سے کامل اور اکمل و مکمل دین نبی کا ہوتا ہے اور اگر نبی اس بات سے بے نیاز ہوتا کہ میں تو حق پر ہوں اور ہمیشہ حق پر اللہ مجھے قائم رکھے مجھے کیا ضرورت ہے کہ دوسروں کے لئے تکلیف اُٹھاتا رہوں تو دین کیسے پہنچے گا! پھر حق کو ماننا ذاتی فعل ہے، اس پر عمل کے لئے کوشش کرنا ذاتی فعل ہے، دوسروں تک پہنچانے میں اللہ کی دوسری بہت سی مخلوق کا بھلا ہے دوسروں کو برائی سے بچانا اللہ کی بہت سی مخلوق کا بھلا ہے اور اللہ کریم کو یہ بات بہت پسند ہے کہ اس کے بندوں کو اس کے عذاب سے بچایا جائے۔ اللہ کریم ہمیں حق ماننے کی اس پر عمل کی اور اس پر خاتمے کی توفیق نصیب فرمائے اور ابطال باطل کی قوت عطا کرے اور دین سے رغبت عطا فرمائے۔ (آمین)

امیر المکرّم مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہٗ کے فی البدیہہ خطابات پر مشتمل منفرد انداز کی پہلی بیانیہ تفسیرِ قرآن حکیم

اکرم التفاسیر سے اقتباس......

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیمo

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ولن ترضی عنک الیھود ولا انصرے

.... وبئس المصیرo

سورۃ البقرہ آیت 120 تا126

ترجمہ: ''اور آپ سے ہرگز راضی نہ ہوں گے یہودی اور نہ نصاریٰ ، جب تک آپ ان کے دین کی پیروی نہ کریں، کہہ دیں! بے شک اللہ کی ہدایت وہی ہدایت ہے ،اور اگر آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی اس کے بعد جب کہ آپ کے پاس علم آگیا ، آپ کے لئے اللہ سے کوئی حمایت کرنے والا نہیں ، اور نہ مددگار۔ہم نے جنہیں کتاب دی وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جیسے تلاوت کا حق ہے، وہی اس پر ایمان رکھتے ہیں، اور جو اس کا انکار کریں وہی خسارہ پانے والے ہیں۔اے بنی اسرائیل !میری نعمت یاد کرو جو میں نے تم پر کی اور یہ کہ میں نے تمہیں زمانہ والوں پر فضیلت دی۔اور اس دن سے ڈرو (جس دن) کوئی شخص بدلہ نہ ہو سکے گا کسی شخص کا کچھ بھی ،اور اس سے کوئی معاوضہ قبول کیا جائے گا، اور نہ اسے کوئی سفارش نفع دے گی ،اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔اور جب ابراہیم کو ان کے رب نے چند باتوں سے آزمایا تو انہوں نے پوری کردیں۔اس نے فرمایا بیشک میں تمہیں لوگوں کا امام بنانے والا ہوں ،اس نے کہا اور میری اولاد کو (بھی)؟اس نے فرمایا میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا۔اور جب میں نے خانہ کعبہ کو بنایا لوگوں کے لئے (بار بار) لوٹنے (اجتماع) کی جگہ اور امن کی جگہ، اور ''مقام ابراہیم'' کو نماز کی جگہ بناؤ ،اور ہم نے حکم دیا ابراہیم اور اسمٰعیل کو کہ وہ میرا گھر پاک رکھیں طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں کے لئے اور رکوع سجدہ کرنے والوں کے لئے۔اور جب ابراہیم نے کہا اے میرے رب !اس شہر کو بنا امن والا ،اور اس کے رہنے

والوں کو پھلوں کی روزی دے جو ان میں سے ایمان لائے اللہ پر اور آخرت کے دن پر، اس نے فرمایا جس نے کفر کیا اس کو تھوڑا سا نفع دوں گا پھر اس کو مجبور کروں گا دوزخ کے عذاب کی طرف اور وہ لوٹنے کی بری جگہ ہے''۔

خلاصہ تفسیر و معارف

کیا یہود و نصاریٰ اہل کتاب کہلانے کے مستحق ہیں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اہل کتاب جن میں فی الوقت یہود اور نصاریٰ موجود ہیں یہ آپ ﷺ سے کبھی خوش نہیں ہوں گے کبھی راضی نہ ہوں گے یہاں تک کہ آپ ﷺ ان کی ملت کے تابع ہو جائیں۔ یعنی ان کی خوشی یا رضامندی کا ایک ہی طریقہ ہے کہ آپ ﷺ بھی ان کی ملت اپنالیں۔ یہود اور نصاریٰ اہل کتاب ہیں اور اہل کتاب کا ذبیحہ بھی حلال ہوتا ہے۔ اہل کتاب کی خواتین سے نکاح بھی جائز ہے لیکن کیا ان احکام کا اطلاق موجود یہود و نصاریٰ پہ ہوتا ہے؟ اس کا فیصلہ عہد فاروقی میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کر دیا تھا کہ جب ممالک فتح ہوئے تو بعض مسلمانوں نے یہود اور نصرانی عورتوں سے شادیاں کیں۔ جب یہ بات خلیفہ وقت تک پہنچی تو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے چھوڑ دینے کا حکم دیا، تعلقات ختم کرا دیے اور فرمایا کہ یہ اہل کتاب نہیں ہیں۔ نہ یہودی اہل کتاب رہے ہیں اور نہ نصرانی اہل کتاب رہے ہیں انہوں نے عزیز علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مان لیا اور انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مان لیا۔ اہل کتاب تو وہ تب تک تھے جب تک اپنی اس کتاب کے عقائد پر قائم تھے جس میں توحید باری بنیادی عقیدہ ہے اور جس نبی پر کتاب نازل ہوئی ہے اس کی نبوت کو ماننا بنیادی عقیدہ ہے۔ وہ اللہ کو تو واحد لاشریک مانتے اپنے نبی کی بات مانتے اور اس کے بعد اگر حضور اکرم ﷺ پر ایمان نہ لاتے تو اہل کتاب کہلاتے۔ اب تو یہ دونوں شرک میں گرفتار ہیں اور موجود یہود و نصاریٰ اہل کتاب نہیں ہیں۔ نصاریٰ تو علی الاعلان تین خداؤں کے قائل ہیں بلکہ اب تو تین کی بجائے ایک عیسیٰ علیہ السلام ہی کی خدائی پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ یاد رہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ حلال یا اہل کتاب سے شادی درست ہے لیکن یہ احکام تب تک تھے جب تک یہودیوں نے عزیز علیہ السلام کو اور نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا نہیں بنایا تھا۔ تو ان عقائد کے بعد یہ مشرک ہو گئے پھر چونکہ یہ عقیدے کتاب میں نہیں تھے اس کے لئے کتاب میں بھی تحریف کرنی پڑی۔ اور ایک بار جب تحریف کا دروازہ کھل گیا تو ہر امر کے لئے اس میں تبدیلیاں کرتے رہے۔ حتیٰ کہ اب بھی ان کی وہ کتابیں گرجوں کے رحم و کرم پر ہیں اور گرجوں میں جو لوگ بیٹھے ہیں یا ان کی جو کمیٹیاں بنتی ہیں وہ آج بھی شرعی احکام کو تبدیل کر دیتے ہیں۔ ان تبدیلیوں کی زد میں بڑے بڑے احکام بھی ہیں مثلاً چند سال پہلے کلیسا نے یہ اجازت دے دی کہ سسر بہو کے ساتھ شادی کر سکتا ہے اور داماد ساس کے ساتھ شادی کر سکتا ہے جبکہ شرعی احکام میں تو وہ باپ بیٹی یا ماں بیٹا ہوتے ہیں۔ ان کے دین میں بھی یہی تھا لیکن یہ تبدیلی کلیسا نے کر دی۔ صرف ایک مثال نہیں ہے بلکہ انہوں نے سارے کا سارا دین ہی بدل دیا اور بدلتے جا رہے ہیں۔

اب رہی یہ بات کہ ان کے ساتھ دوستی ہو ان کے ساتھ تعلقات ہوں، جہاں تک تعلقات کی بات ہے تو کسی بھی کافر کے ساتھ دنیوی معاملات رکھنا کوئی جرم نہیں ہے۔

غیر مسلم سے دنیاوی معاملات کس حد تک رکھے جائیں:

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی غیر مسلموں کے پاس

مزدوری کی ہے ملازمت کی ہے۔ لین دین کرنا یا کسی غیر مسلم کی دکان سے سودا خریدنا یا اس کے ساتھ خرید وفروخت کرنا یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے اور انسانی معاشرے میں رہتے ہوئے اس کی اجازت ہے۔ ایک درزی ہے وہ غیر مسلم ہے آپ اس سے کپڑے نہ سلوائیں ایسی بات نہیں ہے یا دیگر اس طرح کے معاملات دنیا میں اجازت ہے۔ لیکن جب تعلق دلی محبت کا آتا ہے کہ ہماری آپس میں دلی محبت ہو فرمایا یہ دلی محبت تم سے تب تک نہیں کریں گے جب تک تم ان کی تہذیب کو ان کے نظریات کو اپنا نہیں لو گے میں نے ملت کا ترجمہ تہذیب کر دیا ہے۔ ملت کا مفہوم جو قرآن حکیم کے تراجم میں ملتا ہے وہ دین یا مذہب ہے یعنی جب تک ان کے مذہب کے پیرو نہ بن جاؤ وہ آپ سے راضی نہیں ہوں گے اور مذہب بھی تہذیب ہی ہوتی ہے۔ دین جو ہوتا ہے وہ اللہ کا بتایا ہوا راستہ ہوتا ہے۔ مذہب کا لفظی ترجمہ بھی ایک راستہ ہے، ایک چلن ہے، ایک طرزِ حیات ہے!

علامہ ابن خلدون رحمتہ اللہ تعالےٰ علیہ نے اپنی مشہور کتاب مقدمہ ابن خلدون میں لکھا ہے کہ اگر آپ اپنا لباس بھی بدل لیتے ہیں اور کسی دوسری قوم کا لباس اختیار کرتے ہیں تو اس میں بظاہر تو کوئی قباحت نہیں ہے چونکہ شرعی طور پر تو فرض ہے کہ کسی لباس سے بھی آپ بدن ڈھانپ لیں وہ ٹھیک ہے لیکن وہ فرماتے ہیں کہ جب کسی خاص قوم کا مخصوص لباس بندہ اگر اپنا لے تو رفتہ رفتہ اس کی بہت سی بری عادتیں بھی پہلے ہلکی لگتی ہیں کہ کوئی خاص برائی نہیں ہے پھر بالآخر بندہ ان عادتوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور یہ راستہ عقائد و نظریات تک بھی لے جاتا ہے، بالآخر عقائد بھی مجروح ہو جاتے ہیں اور ان جیسے عقیدے اپنا لیتا ہے۔

دین میں رسومات کی ترویج:

آپ یہاں کی برصغیر کی بات کیجئے۔ برصغیر میں جب اسلام آیا تو دو تہذیبوں کا ٹکراؤ تھا۔ برصغیر کی تہذیب اپنی تھی اسلام کی تہذیب اپنی تھی، ان کا لباس اپنا تھا مسلمانوں کا لباس اپنا تھا، ان کے کھانے پینے کے انداز اپنے تھے مسلمانوں کے اپنے تھے لیکن رفتہ رفتہ جب تہذیبیں ایک ہونے لگیں، شروع شروع میں لباس ایک ہوئے پھر دوستیاں بڑھیں، محبتیں آئیں پھر کچھ حکمران ایسے آئے جنہوں نے کہا مل جل کر رہنا ہے تو پھر بات آپس میں شادیوں تک جا پہنچی۔ ہوا کیا؟ ہندو تو ہندو ہی رہا لیکن مسلمان نہ صرف لباس، عادات و خصائل اور بالآخر ان کے عقائد و نظریات بھی اپنا بیٹھے۔ آج ہم میں اکثر بدعات جو جاری و ساری ہیں یہ ہندوؤں کی رسومات ہیں۔ عام معمول میں، عام زندگی میں، شادی بیاہ پر، کسی کے مرجانے پر بے شمار ایسی رسومات ادا کی جاتی ہیں جو ہندوؤں کے ساتھ مختص تھیں اور اسلام میں جن کا کوئی وجود نہیں ہے۔ یہ کیوں ہوا؟ اس کا سبب وہی تہذیبوں کی یک رنگی بنا۔ یہ شروع شروع میں تہذیب میں مشارکت ہوئی اور رفتہ رفتہ ایمانیات تک چلی گئی۔ آج ہندوؤں کی جو رسوم ہم نے اسلام میں داخل کر لی ہیں ان پر کوئی اگر تنقید کرے اور منع کرے تو اسے کہا جاتا ہے کہ یہ صحیح مسلمان نہیں ہے یعنی اتنی وہ رچ بس گئی ہے کہ انہی رسومات کو اسلام سمجھ لیا گیا ہے۔

یہی حال دوسری تہذیبوں سے آمیزش کا بھی ہے تو اللہ کریم فرماتے ہیں کہ اگر آپ یہود و نصاریٰ کو اپنے ساتھ خوش رکھنا چاہتے ہیں تو یہ تب تک خوش نہیں ہوں گے جب تک تم لوگ ان کی تہذیب نہیں اپنا لیتے۔ اور تہذیب اپنانے میں یہ امر مانع ہے کہ آپ ﷺ ان سے کہیے:

سیدھا راستہ یا خواہشات کا اتباع:

قل ان ھدی اللّٰہ ھو الھدی. صحیح راستہ وہ ہے جو اللہ نے بتایا اگر اتفاق ہوا اتحاد ہوگا یگانگت ہو دوستی ہو تو اللہ کے بتائے

ہوئے راستے پر ہو تب تو بات ہے اللہ کے دین کو چھوڑ کر اگر تمہاری توہمات اور خرافات پر سمجھوتہ ہو جائے تو یہ تباہی اور بربادی کی بات ہے۔ قل ان ھدی اللہ ھو الھدی ان سے کہہ دیجئے کہ سیدھا راستہ وہی ہے جو اللہ نے فرما دیا ہے:

ولئن اتبعت اھواءھم بعد الذی جاءک من العلم. اللہ کی طرف سے یہ علم آنے کے بعد بھی اگر کسی نے ان کے اوہام کی پیروی کی تو پھر مالک من اللہ من ولی ولا نصیر تو پھر اسے اللہ کے غضب سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔ یعنی غیر مسلموں کی دوستی تو نصیب ہوگی لیکن اس کے بدلے میں اللہ سے دشمنی اور اللہ کا غضب جھیلنا پڑے گا۔ غیر مسلموں سے تعلقات کی ایک حد ہے۔ اگر ہم کم از کم الفاظ میں کہنا چاہیں تو حد یہ ہے کہ جہاں دین یا عقائد مجروح ہوتے ہوں، جہاں حلال حرام کا یا دین کا مسئلہ آ جائے مثلاً اب ہم جھٹکا کھانے لگیں اس لئے کہ ہم سے ہندو سکھ خوش رہیں گے تو یہ درست نہیں ہوگا کہ جہاں دین پر زد نہ پڑتی ہو، کوئی ان کے پاس ملازمت کرتا ہے لیکن اپنا عقیدہ صحیح رکھتا ہے، اپنا کھانا حلال کھاتا ہے، اپنی مزدوری کرتا ہے، تنخواہ لیتا ہے، لین دین کرتا ہے، کسی نے غلہ بیچا، جانور بیچے یا ان سے خریدے، درست ہے لیکن دوستی جو دلی دوستی ہوتی ہے جس میں آدمی ایک دوسرے کے رنگ میں رنگا جاتا ہے وہ مومن اور کافر میں نہیں ہو سکتی اس لئے فرمایا کہ یہ یہود و نصاریٰ اس سے کم تر کسی بات پر آپ ﷺ سے خوش نہیں ہوں گے۔

طالبان حکومت کے مثالی اقدامات:

افغانستان میں جب تبدیلی آئی اور طالبان برسر اقتدار آئے تو یہ درست ہے کہ وہ بہت سے کام نہیں کر سکے۔ کوئی ادارے نہیں بنا سکے کوئی اچھی پیش رفت سکولوں کے معاملے میں نہیں ہو سکی، کوئی بہتر پیش رفت ہسپتالوں کے معاملے میں نہیں ہو سکی، بے شمار ایسے ادارے جو ہونے چاہئیں تھے وہ نہیں بن سکے۔ لیکن اس کے لئے ایک یہ وجہ بھی ہے کہ برسوں سے جو حکومتیں امن و امان سے رہ رہی ہیں ان سے بھی وہ کام مکمل نہیں ہو پاتے اور ایک دن امن کا نہ آئے تو وہاں یہ کام کرنا اتنا آسان نہیں ہے جتنی ہم توقع رکھتے ہیں کہ سڑکیں بن جائیں سکول بن جاتے۔ یہ سب ضروری تھا لیکن ایک کام اس سے بھی زیادہ ضروری تھا اور وہ تھا انسان کی جان مال اور آبرو کا تحفظ۔ علم بھی کوئی تب حاصل کرے گا کہ وہ زندہ رہے گا ہسپتال میں بھی کوئی تب جا سکے گا کہ وہ پہلے زندہ تو ہوگا۔ راستے میں قتل کر دیا گیا اس کے لئے ہسپتال کی کیا ضرورت ہے ادارے بھی تب بنتے ہیں کہ ملک میں امن قائم ہوتا اور یہ امن قائم نہ ہو سکا۔ مغربی ممالک کی مداخلت سے شمالی اتحاد بنا کر کچھ لوگوں کو مغرب اسلحہ بھی دیتا رہا سرمایہ بھی دیتا رہا اور افغانستان میں جنگ کے شعلے بھڑکتے رہے لیکن ایک کام افغانستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ہوا کہ جتنا علاقہ طالبان کے زیر نگیں تھا، اس سب کو انہوں نے غیر مسلح کر دیا۔ پہلی بار تاریخ میں کسی پٹھان کے پاس بندوق نہیں تھی، کوئی کسی سے زیادتی نہیں کرتا تھا، زیادتی کرتا تھا تو فوراً انصاف مل جاتا تھا۔ اربوں روپے بازار میں پڑے ہوتے تھے اور لوگ اوپر چادر ڈال کر مسجد میں نماز پڑھنے چلے جاتے، کوئی چوری کا خیال نہیں کرتا تھا اور یہ ایک ایسا کام ہے جو بڑی بڑی قدیم، اپنے آپ کو مہذب اور بڑی بڑی نیک کہلانے والی حکومتیں نہیں کر سکتیں۔

اب جس طرح سے انہوں نے امن قائم کر دیا تھا اگر وہ حکومت رہتی اور اسی طرح سے دوسرے ادارے بن جاتے سڑکیں بنتیں، سکول بنتے، ہسپتال بنتے تو نتیجہ یہ ہوتا کہ دنیا کے سارے لوگ اس طرف متوجہ ہو جاتے جہاں زندگی کی ساری سہولتیں بھی تھیں اور

امن اور تحفظ بھی تھا اور لوگ مسلمان ہونا شروع ہو جاتے۔ افغانستان وار کی ایک وجہ جو امریکہ کے صدر بش نے خود اپنی زبان سے بتائی وہ یہ بھی تھی کہ وہ دنیا کے گرد ہماری تہذیب کو تباہ کرنا چاہتے تھے۔

"They were going to destroy our culture around the globe"

کہ اگر وہ باقی رہتے اور وہ ملک باقی رہتا اور سیٹل ہو جاتا اور وہاں ادارے بن جاتے تو ہماری تہذیب کے لئے اتنا بڑا خطرہ تھا کہ ہماری تہذیب روئے زمین سے مٹ جاتی لوگ ادھر چلے جاتے۔ یہی بات یہاں قرآن حکیم نے آج سے سوا چودہ سو سال پہلے ارشاد فرمائی ہے کہ یہود و نصاریٰ آپ ﷺ سے خوش نہیں ہوں گے۔

ولن ترضی عنک الیھود ولا النصرٰی۔ نہ یہودی خوش ہوں گے نہ نصاریٰ خوش ہوں گے ہاں ایک بات پہ وہ خوش ہوں گے۔ حتی تتبع ملتھم۔ کہ آپ ﷺ ان کی ملت اپنا لیں۔ ان جیسے ہو جائیں، ان جیسے بن جائیں، کلمہ بھی پڑھتے رہیں لیکن کھائیں پئیں ان جیسا کمائیں ان کی طرح، تہذیب ان کی ہو، لباس ان کا ہو، افکار ان کے ہوں، تو یہ سودا بڑا مہنگا ہے۔ اس لئے آپ مسلمانوں کو حکم ہے کہ آپ ان سے کہہ دیجئے

قل ان ھدی اللہ ھو الھدی۔ ہدایت پر سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔ ہدایت وہی ہے راستہ وہی ہے جو اللہ نے مقرر کر دیا لیکن اگر پھر بھی کسی دنیوی مجبوری میں یا لالچ میں آ کر آپ ان سے یہ سمجھوتہ کر لیتے ہیں کہ ان کی ملت اپنا لیتے ہیں تو ان کی ملت کیا ہے؟ محض خیالات کا مجموعہ ہے۔ ان کی کتابوں میں جو عقائد و نظریات تھے وہ تو وہ ضائع کر چکے اب تو ان کے پاس محض اوہام کا پلندہ ہے اور اے مخاطب! تو نے اگر ان کے غلط خیالات کی پیروی کی اس کے بعد کہ اللہ کی طرف سے علم آ چکا ہے اللہ کی کتاب موجود ہے، شب و روز پڑھی جا رہی ہے سنی جا رہی ہے، سیکھی جا رہی ہے، سکھائی جا رہی ہے، سمجھی جا رہی ہے، سمجھائی جا رہی ہے تو پھر اللہ سے بچانے والا تجھے کوئی دوست اور کوئی مددگار نہیں ملے گا اور تو اللہ کے غضب کا شکار ہو جائے گا۔

الذین اتینھم الکتب۔ جنہیں آپ اہل کتاب کہتے ہیں اور جو واقعی اہل کتاب تھے جنہیں ہم نے کتاب دی وہ وہ لوگ تھے۔ یتلونہ حق تلاوتہ۔ وہ تھے جو اس کو اس طرح پڑھتے تھے کہ جس طرح پڑھنے کا حق ہے۔ یعنی کتاب کو پڑھتے تھے اسے سمجھنے کی کوشش کرتے تھے اور اس کا اتباع کرتے تھے۔

اولئک یومنون بہ۔ وہ لوگ تھے جو اس کے ساتھ ایمان رکھتے تھے جنہوں نے اس کتاب کو پڑھنے کا حق ادا کیا اس کے معانی اور مفاہیم کو سمجھا اور ان کی پیروی کی۔

ومن یکفر بہ فاولئک ھم الخسرون اور جنہوں نے اس کا انکار کر دیا اور اس کے نظریات و عقائد کی جگہ اپنے خود سے گھڑے ہوئے عقائد و نظریات اس میں داخل کر دیے، احکام بدل دیے، اس میں تحریف کر دی، فرمایا: یہ تو بہت بڑے خسارے میں جانے والے ہیں انہوں نے تو بہت بڑا ظلم کیا اور بہت بڑا نقصان کیا جس کی تلافی ممکن نہیں ہے۔ یہ خطاب مسلمانوں سے تھا کہ اگر تم انہیں راضی رکھنا چاہتے ہو خوش رکھنا چاہتے ہو تو یہ اس سے کم کسی بات پر راضی نہیں ہوں گے کہ تم بھی ان کی ملت اپنا لو اور اگر ایسا کرو گے اللہ کی ہدایت سے محروم ہو جاؤ گے اللہ کے غضب کا شکار ہو جائے گے اب خطاب بنی اسرائیل سے ہے۔

یبنی اسراءیل اذکرو نعمتی التی انعمت علیکم و انی فضلتکم علی العلمین۔

کہ اے اولاد یعقوب علیہ السلام! تم میرے وہ احسان یاد کرو کہ ایک وقت میں میں نے تمہیں روئے زمین پر بسنے والوں انسانوں پہ فضیلت دی، تمہیں سلطنتیں دیں، ریاستیں دیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تمہاری نسل میں یعقوب علیہ السلام سے لیکر عیسیٰ علیہ السلام تک نبوت جاری وساری رکھی۔ یعقوب علیہ السلام سے لیکر عیسیٰ علیہ السلام تک جتنے نبی آئے وہ تمہیں میں سے آئے، یہ کتنا بڑا اعزاز ہے اللہ کی طرف سے کہ دنیوی اعتبار سے بھی تمہیں ممالک اور حکومتیں اور دولت اور عزت اور بلند مرتبے نصیب ہوئے اور دینی اعتبار سے سارے نبی تمہاری قوم سے آئے۔ لیکن ایک بات یاد رکھو! ایک وقت آنے والا ہے اس کا دھیان رکھو، یہی دنیا بس نہیں ہے بلکہ اس کے بعد ایک دن آنے والا ہے۔

واتقو یوما لا تجزی نفس عن نفس شیاً. ایک دن حساب کتاب کا آنے والا ہے، اُس دن کوئی بڑے سے بڑا آدمی کسی دوسرے کیلئے کچھ نہیں کر پائے گا۔

ولا یقبل منها عدل و لا تنفعها شفاعة و لا هم ینصرون

نہ کسی کو کسی دوسرے کے بدلے میں گرفتار کیا جائے گا کہ کوئی کہہ دے کہ اسے چھوڑ دو اور میں اپنی جان پیش کرتا ہوں، فرمایا کوئی اس طرح بھی نہیں کر سکے گا، کوئی معاوضہ نہیں دے سکا گا، کوئی یہ نہیں کہہ سکے گا کہ میں اس کی طرف سے اتنی دولت دیتا ہوں اور اسے معاف کر دیں فرمایا یہ سودا بازی نہیں ہوگی، نہ کسی کی سفارش قبول ہوگی اور نہ کوئی مدد کر سکے گا۔ تین ہی طریقے ہوتے ہیں مجرم کو چھڑانے کے یا جرم کا معاوضہ دے دیا جائے یا مجرم کی سفارش کی جائے یا بزور بازو مجرم کو چھین لیا جائے۔

فرمایا، اس دن کو یاد رکھو، ایک دن آنے والا ہے جس دن مجرموں کے لئے اور کافروں کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں ہوگی۔ تو جو فیصلے بھی آپ لوگ کرتے ہو، آخرت کی رسوائی اللہ کا غضب اور روز حشر کو یاد رکھ کے کرو۔

خلیل اللہ کے امتحانات:

و اذ ابتلی ابرهم ربه بکلمت فاتمهن۔ فرمایا زندگی میں کیسی کیسی مثالیں موجود ہیں آپ حضرت ابراہیمؑ ہی کو دیکھ لیجئے اللہ کے خلیل تھے اللہ کے برگزیدہ رسول تھے اللہ کا ان پر بہت بڑا احسان اور کرم تھا لیکن ان پر بھی کتنی آزمائشیں آئیں کتنے مشکل وقت آئے جب ابراہیمؑ کو اللہ کریم نے امتحان میں ڈالا فاتمهن اور وہ اس پر پورے اترے بچپن میں لڑکپن میں والدین کو اور قوم کو بت پرستی کرتے دیکھا تو انہیں روکا پھر ان سے الگ ہوئے۔ شاہی بت کدے کے بتوں کو توڑ دیا، بادشاہ سے مقابلہ آیا تو اس نے آگ میں پھینکوا دے لیکن اللہ نے آگ کو گلزار کر دیا۔ پھر آپؑ نے ہجرتیں فرمائیں، بڑے لمبے سفر کیے، راستے میں بے شمار حادثے اور تکالیف پیش آئیں۔ پھر آخر عمر میں اللہ نے چاند سا بیٹا دیا حکم ملا تو بیوی اور بیٹے کو حرم میں جا کر چھوڑ آئے، سینکڑوں میل کی مسافت پر جنگل بیابان میں، حرم میں، جہاں کوئی آبادی تھی نہ بیت اللہ کے آثار تھے۔ جب بیٹا ساتھ چلنے کے قابل ہوا تو حکم ہوا اسے قربان کر دیں ذبح کر دیں اس کی گردن پہ چھری رکھ دی تو فرمایا کتنی آزمائشیں، کتنے مشکل وقت اس بندے پر آئے جو اللہ کا دوست اور خلیل تھا نبی اور رسول تھا۔

فاتمهن۔ اس نے سارے کام پورے کیے، جو حکم ہوا اس نے پورا کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کریم نے فرمایا:

قال انی جاعلک للناس اماما۔ اے ابرہیم میں تجھے نسل انسانی کا امام بناتا ہوں پیشوا بناتا ہوں، قیامت تک لوگ تیری پیروی کریں گے تجھے امام مانیں گے خود دین اسلام

میں آقائے نامدار ﷺ نے حضرت ابراہیمؑ کی کتنی سنتیں زندہ رکھیں اور درود شریف میں درود ابراہیمی شامل رکھا۔ قرآن کریم کی تلاوت میں ان کا ذکر خیر موجود ہے۔ نماز میں بھی آیات پڑھی جاتی ہیں، ان کا ذکر خیر ہوتا ہے۔

اور پھر جب انہیں یہ ارشاد ہوا کہ آپؑ کو یہ انعام ملے گا کہ رہتی دنیا تک آپؑ کا نام رہے گا تو انہوں نے عرض کی:

قال ومن ذریتی اے اللہ میری نسل اور میری اولاد میں یہ بات چلے گی جب آپ مجھ پہ اتنا انعام اور اتنا احسان فرما رہے ہیں کہ میرا نام جب تک انسانیت قائم ہے دنیا میں بھی عزت و احترام کے ساتھ رہے گا۔ ومن ذریتی اور میری اولاد میں سے!

قال لا ینال عھدی الظلمین ۔فرمایا آپؑ کی اولاد میں سے جو ظالم ہوگا اسے یہ مرتبہ نہیں ملے گا۔ جو آپؑ کا پیروکار ہوگا متبع ہوگا اسے احترام ملے گا لیکن جو ظلم اختیار کرے گا اللہ کی نافرمانی کرے گا بے راہ ہو جائے گا اسے اس وعدے میں سے کچھ نہیں ملے گا۔

نیکی و قابلیت کا معیار نسبی تعلق نہیں:

ہمارے ہاں یہ جو رواج ہو گیا ہے کہ جہاں کوئی نیک آدمی ہے یا گزرا ہے تو اس کی اولاد ہم پر مسلط ہے اور ہم اس کی پوجا کیے جا رہے ہیں۔ خواہ وہ بدکار ہیں، شراب پیتے ہیں، نشہ کرتے ہیں برائی کرتے ہیں اور کوئی ان میں دینی وصف موجود نہیں ہے، نماز تک نہیں پڑھتے ایسے بھی ہیں جنہیں نماز آتی تک نہیں عقائد بدل دیے، گمراہ ہو گئے حلیے مسلمانوں جیسے نہیں ہیں لیکن ہم ہیں کہ اس بات پہ ان کے پیچھے لگے ہیں کہ یہ فلاں کا بیٹا ہے۔ اللہ کریم نے فرمایا! نہیں، بیٹا ہونا بڑی بات ہے لیکن اگر بیٹا بھی ہو اور اتباع بھی کرے تو نور علیٰ نور ہے نبی کی نسل بھی ہے نبی کا خون بھی ہے اللہ کے رسول کی اولاد بھی ہے اور اللہ کے رسول کا پیروکار بھی ہے پھر تو واقعی قابل لحاظ بات ہے، قابل احترام بات ہے لیکن اگر اس نے راستہ ہی بدل لیا تو اللہ کریم فرماتے ہیں میرا وعدہ ظالموں کے ساتھ نہیں ہے۔ اور یہ تو ظلم ہے عام آدمی انکار کرے وہ ظلم ہے پھر اللہ کے نبی کی اولاد بھی اور اس کا دین چھوڑ دے اس کی پیروی چھوڑ دے تو یہ تو بہت بڑا ظلم ہے۔

قال لا ینال عھدی الظلمین ○ واذ جعلنا البیت مثابة للناس وامنا

بیت اللہ کی فضیلت:

اور یاد کریں جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لئے عبادت کی جگہ مہبط اور امن کی جگہ بنا دیا تھا ایک ایسا گھر جس میں سوائے اللہ کے کسی کا دخل نہ ہو جو ہر طرح سے مامون ہو جس میں ہر طرح سے امن ہو اور جہاں بیٹھنا بھی عبادت، جسے دیکھنا بھی عبادت اور جہاں عبادت کرنا دوسری جگہوں سے ایک لاکھ گنا زیادہ ثواب رکھتا ہو۔

مقام ابراھیم کی فضیلت:

واتخذوا من مقام ابراھم مصلی ۔اور لوگو! مقام ابراہیمؑ کو سجدہ گاہ بناؤ۔ عمرہ ہو یا حج یا ویسے کوئی طواف کے بعد مقام ابراہیمؑ پہ دو نفل ادا کرتا ہے یہ حصہ ہے اس کا واتخذوا من مقام ابراھم مصلی ۔مقام ابراہیمؑ ایک سفید رنگ کا پتھر بیت اللہ شریف میں آج بھی موجود ہے کہ جیسے جیسے بیت اللہ کی تعمیر ہوتی تھی اس پتھر پہ سیدنا ابراہیمؑ کھڑے ہو کر تعمیر کرتے جاتے تھے، دیوار اونچی ہوتی جاتی تھی اور پتھر از خود اونچا ہوتا جاتا تھا اور دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا رہتا تھا اور آپؑ نے بیت اللہ شریف کی تعمیر کی اور اس پتھر میں دو ڈھائی انچ گہرائی تک آپؑ کے نقوش کف پا مبارک اتر گئے، آج بھی بیت اللہ شریف کے سامنے وہ ایک شیشے

میں بند رکھا ہوا ہے۔ زائرین کی زیارت کے لئے سفید رنگ کا پتھر ہے جیسے سنگ مرمر ہوتا ہے اور اس میں حضرت ابراہیمؑ کے دونوں پاؤں دو ڈھائی انچ تک گہرائی میں لگے ہوئے ہیں تو فرمایا اس جگہ کو جہاں یہ پتھر رکھا ہے یہاں نوافل ادا کرو۔

وعهدنا الی ابرهم واسمعیل ان طهر ابیتی للطائفین والعکفین والرکع اسجودo

اور ہم نے ابراہیمؑ کو اور اسمعیلؑ کو یہ حکم دیا کہ ہمارے گھر کو صاف رکھیں پاکیزہ رکھیں، اعتکاف کرنے والوں کے لئے اور عبادت کرنے والوں رکوع اور سجود کرنے والوں کے لئے اور طواف کرنے والوں کے لئے زیارت کرنے والوں کے لئے حج کرنے والوں کے لئے عمرہ کرنے والوں کے لئے یعنی اللہ کی عبادت کرنے والوں کے لئے اس گھر کو ہمیشہ صاف ستھرا رکھیں اس میں کوئی دینی قباحت ہو نہ کوئی دنیوی قباحت ہو اس میں کوئی غلاظت یا گندگی بھی نہ ہو اور دینی اعتبار سے کوئی بت کوئی اس طرح کی خباثت اس میں نہ ہو۔

دعائے ابراہیمی اور حرمین میں ثمرات کی فراوانی

واذقال ابراهم رب اجعل هذا بلدا امنا و ارزق اهله من الثمرت من امن منهم با لله والیوم الا خرo قال ومن کفر فامتعه قلیلا ثم اضطره الی عذاب النار وبئس المصیرo

ابراہیمؑ نے دعا کی جب اللہ نے یہ حکم دیا تو آپؑ نے بیت اللہ شریف تعمیر فرمایا پھر اس کو صاف ستھرا کیا سجایا اس میں عبادت شروع کی اور دعا کی اے اللہ اس شہر کو شہر امن بنا دے اور اس میں رہنے والوں کو پھل اور رزق عطا فرما جو بھی تیری ذات پر اور آخرت پر ایمان لائے اللہ کریم نے فرمایا کہ آپؑ نے دعا کی ہے اور آپؑ نے صرف مسلمانوں اور مومنین کے لئے دعا کی ہے لیکن میں دنیا میں کافر کو بھی ان نعمتوں سے محروم نہیں کروں گا جو اس شہر میں آیا اگر وہ مومن نہ ہو بھی ہوا اسے رزق ملے گا اور پھل بھی ملیں گے۔

آج تو یہ تکنیک عام ہو گئی ہے کہ ہر موسم میں پھل ملتا ہے اور کچھ نقلی طریقے سے کچھ ایسی ادویات بن گئی ہیں ایسی کھادیں بن گئی ہیں کہ بغیر موسم کے سبزیاں اور پھل پیدا کیے جاتے ہیں لیکن ایک زمانہ تھا جب یہ چیزیں نہیں تھیں۔ آج سے پچیس تیس سال پہلے ایسا کوئی تصور بھی نہیں تھا۔ لیکن مکہ مکرمہ میں روز اول سے لیکر آج تک کبھی موسم یا زمانے کی قید نہیں رہی۔ ہر زمانے کا پھل موجود ہوتا ہے اور ایک شہر میں پینتیس لاکھ لوگ باہر سے جمع ہو جاتے اور کبھی کوئی بھوکا نہیں سوتا۔ سب کے رزق کا اہتمام بھی ہوتا ہے اور دنیا کا ہر پھل بھی وہاں ملتا ہے لیکن فرمایا مومن کے لئے تو درست، دنیا میں کافر کو بھی دونگا۔ لیکن اس کا فائدہ حاصل کرنے کا وقت کم ہو گا۔

تو ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا بھی اس طرح منظور ہوئی کہ وہ شہر، شہر امن بھی بنا اور اس میں رزق میں بھی آج تک کوئی کمی کسی نے محسوس نہیں کی۔ اللہ کریم اپنی نعمتوں سے اور اپنے رزق سے فائدہ اٹھانے کی توفیق بھی دے لیکن اپنی ذات کے ساتھ ایمان پر پختہ رہنے کی توفیق فرمائے۔ دنیاوی دولت یا دنیاوی شہرت یا دنیاوی وقار کوئی چیز نہیں اگر اس کے بدلے آخرت ضائع ہو جائے اور اللہ کریم آخرت کو محفوظ رکھیں ایمان کو محفوظ رکھیں توفیق عمل دیں اور اس کے ساتھ دنیا کی عزت بھی دیں تو یہ اس کا انتہائی کرم ہے۔

..........☆☆☆☆..........

انتخاب ہے جنوں مقصود ہے

بسم اللہ الرحمٰنِ الرحیم

والذین جاھدوا فینا لنھدینھُم سبلنا ٥ العنکبوت ٦٩

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ جولوگ ہمارے لئے محنت کرتے ہیں انہیں ہم اپنی بارگاہ کے متعدد راستے دکھا دیتے ہیں سادہ سا جملہ ہے لیکن انسانی زندگی میں مشکل ترین کام ہے۔ انسان کا مزاج ایسا ہے کہ وہ کسی باطل فرقے سے بھی منسلک ہوخدانہ کرے تو ہر کافر فرقے میں بھی ایک غیبی قوت کی ایک گنجائش ہوتی ہے' اُسے خواہ وہ ارواح کہیں' خواہ اُسے وہ جن مانیں' خواہ اُسے وہ فرشتے مانیں' اُسے دیوی مانیں' اُسے دیوتا مانیں کسی نام سے بھی یاد کریں انسانی مزاج میں ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ کوئی ایک ایسی غیبی طاقت ہو جو میری حفاظت کرے' جو میری مشکلات میں میرے کام آئے' جو میری باتیں سنے میرے دکھ بانٹے اور یہ انسانی تاریخ میں ہے کہ جولوگ جنگلوں میں ویرانوں میں تہذیب سے نا آشنا لباس تک سے نا آشنا وحشیوں کی طرح اُن کا کھانا پینا رہنا سہنا لیکن کسی غیبی طاقت کا تصور اُن میں بھی ہے اور اُسے خوش کرنے کے لئے اُن میں بھی رسومات ہیں' کچھ الٹ سلٹ کلمات ہیں' کچھ ٹونے ٹوٹکے ہیں۔ یہ دراصل مزاج انسانی میں رب العٰلمین نے اپنی طلب کی جگہ بنائی ہے۔ انسان کوئی معمولی اکائی نہیں ہے اس ساری کائنات کا خلاصہ ہے۔ پوری کائنات عالم خلق سارا عالم امر ایک انسان کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ سورج چاند ستارے سیاروں کی گردش ساری کائنات کی توجہ اس چھوٹے سے سیارے جسے آپ زمین کہتے ہیں اس پہ رہتی ہے اور اس پہ سب کے اثرات مرتب ہوتے ہیں' اس میں تبدیلیاں آتی ہیں اس میں مخلوق پیدا ہوتی ہے اس میں چیزیں بنتی ہیں اس میں دھاتیں بنتی ہیں اس میں دریا بہتے ہیں اس میں سمندر بنتے ہیں اس میں جواہرات بنتے ہیں پھل اگتے ہیں۔ یعنی ساری کائنات کی توجہ کا مرکز ہے زمین کرہ ارضی اور کرہ ارضی کی جب بات ہوتی ہے تو اللہ کریم فرماتے ہیں کہ اے انسان، اے نوعِ انسانی یہ جو کچھ زمین میں پیدا ہوا یہ سب کچھ تمہارے لئے ہے۔ یعنی ساری کائنات کا یونیورس کا اُس کی توجہات کا مرکز ہے کرہ ارض اور اُن ساری کی محنت کے نتیجے میں اس سورج کی تمازت کے نتیجے میں جہان کی ٹھنڈک کے نتیجے میں موسموں کے تغیر وتبدل کے نتیجے میں ستاروں اور سیاروں کی چال کے نتیجے میں جو کچھ زمین پہ بنتا ہے فرمایا وخلق یہ سب کچھ میں نے تمہارے لئے بنایا۔

تو فلاسفہ کا ایک قانون ہے وہ کہتے ہیں کہ کوئی شخص یہ سوچ لے کہ دنیا میں میرے سوا کوئی نہیں بستا۔ تنہائی میں بیٹھ جائے اور سوچے کہ میں اکیلا ہوں زمین پر تو اُسے سمجھ آئے گی کہ اُس اکیلے کے لئے بھی سورج طلوع ہوتا ہے اُس اکیلے کے لئے بھی بادل آتے ہیں اُس اکیلے کے لئے بھی زمین اپنے خزانے اگلتی ہے یعنی یہ ساری نعمتیں ایک ایک فرد کے لئے ہیں۔ اب جس ذات کریم نے انسان کو اتنی اہمیت دی بلکہ اس کی تخلیق میں باقی ساری مخلوق سے ہٹ کر ایک الگ چیز شامل کردی۔ عالم دو ہیں عالم خلق اور عالم امر۔ جہاں عالم خلق کی حدود ختم ہوتی ہیں وہاں سے عالم امر کی ابتدا ہوتی ہے' عالم

خلق سارا فانی ہے ناپائیدار ہے خاتمہ اور تباہی اس کا مقدر ہے امر صفات الٰہی میں سے ہے عالم امر چونکہ اوصاف باری میں سے ہے اللہ کی ذات بھی باقی ہے اُس کی صفات بھی باقی ہیں' اُس کی ذات بھی ازلی وابدی ہے اُس کی صفات بھی ازلی وابدی ہیں لہذا عالم امر ہمیشہ سے ہمیشہ کے لئے ہے فنا نہیں ہے اسے۔ اب انسان کو ایسا آمیزہ بنایا کہ اس کا وجود تو عالم خلق سے پیدا فرمایا اسی مادے سے اسی ایٹم سے انہی ذرات سے لیکن اس میں روح عالم امر کی ڈال دی۔قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا۔اس سے زیادہ سمجھنے کی سکت انسانی ذہن میں نہیں ہے کہ عالم امر سے روح کیسے بنی؟ اُسے گھڑ کے بنایا گیا یا کسی تجلی سے بنی' وہ کیسے بنی فرمایا یہ تمہارے سمجھنے کی بات ہی نہیں ہے' تمہارے علوم کی حدود سے یہ بالاتر بات ہے لہذا تمہارے لئے اتنا ہی جاننا کافی ہے کہ روح عالم امر سے ہے لہذا روح کے لئے دوام ہے' فنا نہیں ہے۔ اب جب روح کا تعلق وجود سے بنتا ہے تو اتنا گہرا بن جاتا ہے کہ وجود بغیر روح کے بیکار ہے اور روح بغیر وجود کے عالم اسباب میں کام نہیں کر سکتی' اس رشتے کی بدولت انسانی وجود بھی اُس روح کے ساتھ ہمیشہ برقرار رہے گا' یہ بھی ختم نہیں ہوگا۔تھوڑا سا عرصہ یہ برزخ کا ہے عالم دنیا قائم ہے یہاں سے جو جس کی روح بدن سے الگ ہوتی ہے اُس کے دنیوی احکام اور دنیوی چیزیں تو ختم ہو جاتی ہیں۔لیکن اگر بدن جل بھی جائے بدن کو درندے کھا جائیں بدن کہیں بھی کسی صورت میں بھی چلا جائے تو اُس کے ہر ایٹم ہر چھوٹے سے چھوٹے ذرے کے ساتھ روح کا تعلق بدستور رہتا ہے۔روح جہاں بھی ہو اگر روح اچھے مہمان خانے میں ہے قیامت تک انتظار کے لئے ایک مناسب ویٹنگ روم اُسے مل گیا ہے۔علیین میں ہے تو جو برکات جو انوارات جو رحمتیں روح پہ مترشح ہوتی ہیں وجود کے ذرے ذرے تک اُن کی لذتیں پہنچتی ہیں اور وجود خواہ کسی صورت مٹ جائے آخر اُس کا کوئی ذرہ تو کسی باریک سے باریک ذرے کی ایٹم کی صورت میں چلا جائے وہ ذرات تو ہیں' خدانخواستہ روح اپنے مقصد سے بھٹک گئی اپنے گھر سے دور جنگل میں ویرانے میں جھاڑ جھنکار میں نکل گئی تو جو تکلیفیں جو دکھ اُسے وہاں ہوتے ہیں چونکہ بدن کے ہر ذرے کے ساتھ اُس کا تعلق ہوتا ہے لہذا وہ کیفیات عذاب جو ہیں وہ ہر ذرے پر سے گزرتی رہتی ہیں جب قیامت قائم ہوگی تو بدن پھر بحال ہو جائے گا۔ روح بھی اُس میں آ جائے گی۔ بلکہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ روح اعتراض کرے گی کہ یا اللہ میں تو عالم امر سے ہوں اور میں تو پاک صاف مزاجاً بھی پاک وجوداً بھی پاک مجھ میں تو کوئی کسی طرح کی آمیزش نہیں تھی سارا قصور اس کا ہے اس بدن کا ہے جب سے یہ میرے ساتھ ملا تو اُسے مادی لذات چاہیے تھیں یہ مادی تھا اس نے مجھے بھی رسوا کر دیا اور تیری نافرمانی میں لے گیا۔ بدن اپنا رونا روئے گا وہ کہے گا یا اللہ میں تو ذرات خاکی تھا نہ مجھے گناہ کا پتہ تھا نہ مجھے نیکی کی خبر تھی اور میں تو تیری ذات کا ذکر کرتا تھا۔

وان من شی الا یسبح بحمدہ. میں بھی تیرا ذکر کرتا تھا یہ جب سے روح آئی اور مجھے انسانی قالب میں تو نے ڈھالا تو اس نے سارے تماشے کھڑے کر دیئے اور اس نے مجھے تباہ کر دیا حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ کریم انہیں فرمائیں گے کہ سامنے دیکھو' سامنے دیکھیں گے تو ایک باغ ہوگا اور اُس میں پھل لٹک رہے ہوں گے ایک آدمی ٹانگوں سے اپاہج ہوگا اُس کے ساتھ ایک آدمی ہوگا جو آنکھوں سے معذور ہوگا تو وہ اپاہج اُسے بتائے گا کہ یار! بڑے خوبصورت پھل ہیں اور درخت ان سے بھرے ہوئے ہیں لیکن میں تو نہ درخت پہ چڑھ سکتا ہوں نہ وہاں تک میرا ہاتھ پہنچتا ہے تو تم توڑو، وہ کہے گا مجھے نظر نہیں آتا توڑوں گا کہاں سے' پھر وہ آپس میں بیٹھ

کے مشورہ کرتے ہیں وہ اندھا اُسے کہتا ہے کہ میں اگر تجھے کندھے پہ اٹھالوں تیرا ہاتھ پہنچ جائے گا اُس نے کہا بالکل پہنچ جائے گا وہ اُسے اپنے کندھوں پہ بٹھا لیتا ہے اور وہ پھل توڑتے ہیں تو اللہ کریم فرمائیں گے روح اور جسد سے کہ بتاؤ ان میں قصوروار کون ہے؟ تو قیامت کو یہ سین ہوگا یہ منظر ہوگا کہ اب بتاؤ ان میں قصور کس کا ہے؟ وہ کہیں گے یا اللہ یہ دونوں بدمعاش ہیں فرمایا یہی رشتہ تمہارا ابھی ہے۔ بدن نہ ہوتا تو اکیلی روح مادی دنیا میں کچھ کر نہیں سکتی تھی' روح نہ ہوتی تو بدن بے جان ہوتا' تم نے جو کیا مل کر کیا اور لذات مادی میں کھو گئے اور میں نے تمہیں یہ عالم امر کی نعمت سے اس لئے نوازا تھا 'میں نے اس ذرہ خاکی کو عالم امر کی تجلیات سے اس لئے منور کر دیا تھا کہ میں چاہتا تھا کہ اس کے دل میں میرا گھر ہو' یہ مجھے جانے ہی نہیں مجھے پہنچانے اور پھر مجھے چاہے' پھر مجھے ٹوٹ کر چاہے' مجھ سے محبت نہیں مجھ سے عشق کرے اور جنوں کی حد تک کرے' حتی کہ اس کی جان چلی جائے میری طلب میں لیکن یہ میری طلب سے باز نہ آئے' تو اگر یہ یہاں تک چلا گیا تو پھر موت بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات. جو اس حال میں مارے جاتے ہیں انہیں مردہ نہ کہو کہنا ہی حرام نہیں سوچنا حرام ہے۔ ولا تحسبن الذین قتلو فی سبیل اللہ امواتا. جو اللہ کی طلب میں اللہ کی راہ میں شہید ہوتے ہیں اُن کے لئے یہ سوچو بھی نہیں کہ مر گئے سوچنا حرام ہے۔ بل احیاء' عند ربھم یرزقون. زندہ ہیں اپنے اللہ کے پاس کھاتے پیتے ہیں جس طرح تم کھاتے پیتے ہو۔ تمہارے پاس زندگی کی یہی دلیل ہے نا کہ تم کھاتے پیتے ہو اٹھتے بیٹھتے ہو' وہ بھی کھاتے پیتے ہیں تم خاک کھاتے ہو وہ نور کھاتے ہیں' تم جو کھاتے ہو خاک کھاتے ہو وہ پھل ہے وہ گندم ہے وہ غلہ ہے وہ گوشت ہے یہ سب خاک ہے تم خاک کھاتے ہو اور وہ نور کھاتے ہیں۔

اب مقصد حیات انسانی یہ تھا کہ اُس میں اللہ کی طلب ہو اور اس حد تک ہو کہ دونوں جہان چھوٹ جائیں لیکن دامان الٰہی اور دامان محمد رسول اللہ ﷺ نہ چھوٹے' طلب الٰہی دل سے نہ جائے اور ساری محبت کیا ہے؟ ساری محبت کا نام ہے محمد رسول اللہ ﷺ۔ اس نام نامی سے باہر محبت کا تصور نہیں ہے اس م ح م د کو درمیان سے نکال دیں تو نفرت ہی نفرت ہے' محبت کا تصور ہی نہیں ہے' نہ پہلے تھا' نہ اب ہے' نہ کبھی ہوگا' جتنے انبیاء علیہم السلام آدم علیہ نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام سے لیکر عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام تک آئے سارے امتی تھے محمد رسول اللہ ﷺ کے' جتنی محبتیں سب نے بانٹیں حضور اکرم ﷺ سے لیکر بانٹیں اور پھر جب آپ ﷺ تشریف لائے تو کسی کے آنے کی حاجت ہی نہ رہی۔

افلت شموس اولینا وشمسنا

ابداً علی افق علی لاتغرب.

پہلے بھی سورج تھے اپنے وقتوں پہ طلوع ہوئے نور بکھیرا روشنی بکھری غروب ہو گئے لیکن ہمارا سورج طلوع تو ہوا۔ ابداً علی افق علی ہمیشہ افق علی پہ رہے گا لاتغرب کبھی غروب نہیں ہوگا۔ آپ ﷺ کی بعثت کے بعد کسی نئے نبی کی بعثت کی ضرورت باقی نہ رہی۔ ختم نبوت کا معنیٰ یہ نہیں ہے کہ اللہ نبی بھیجنے سے معذور ہو گیا یا اللہ نبوت دے نہیں سکتا' وہ ہر چیز پہ قادر ہے لیکن اُس نے ایسا نبی بھیج دیا جس کے بعد کسی نبی کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ وہ رب ہے پروردگار ہے جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہ چیز عطا فرماتا ہے ایک ضرورت مکمل کر دی بات ختم ہو گئی نہ ظلی نہ بروزی نہ عارضی نہ مستقل نہ نفلی نہ اصلی کسی نبی کی حاجت ہی باقی نہیں رہی بات ہی ختم ہو گئی۔ کوئی بجلی جلاتا ہے کوئی لالٹین جلاتا ہے کوئی غریب دیا جلا لیتا ہے کسی کے پاس وہ بھی

نہیں تو لکڑیاں اکٹھی کر کے آگ جلا لیتا ہے روشنی کے لئے لیکن جب سورج طلوع ہو جاتا ہے تو سب بجھا دیتے ہیں کسی اور روشنی کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ بعثت آقائے نامدار ﷺ نے کسی نئے نبی کی ضرورت ہی باقی نہیں چھوڑی اسی لئے حدیث شریف میں حضور ﷺ نے فرمایا۔

کہ نبوت کی عمارت بڑی خوبصورت بنائی اللہ نے بنتی رہی بنتی رہی حتی کہ ایک اینٹ کی جگہ خالی رہ گئی اور وہ اینٹ میں ہوں۔ انا تلک اللبنۃ۔ وہ اینٹ میں ہوں میرے آجانے سے وہ عمارت مکمل ہو گئی اب اُس میں کچھ مزید کسی اینٹ کے لگانے کی ضرورت نہیں۔ ہر نبی نے اللہ کے عاشق پیدا کئے' اللہ کے طالب پیدا کئے' ایمان کیا ہے؟

محبت کیا ہے تاثیر محبت کس کو کہتے ہیں

تیرا مجبور کر دینا میرا مجبور ہو جانا

محبت یہ ہے کہ بندہ بے بس ہو جائے' اُس کی اپنی پسند و ناپسند ختم ہو جائے' ساری دنیا ابتدائے آفرینش سے آج تک اور آج سے قیام قیامت تک لوگ لوگوں سے تعلق محبت پیار ہر طرح کے رشتے بناتے جائیں گے لیکن چند لوگوں کو کیوں ساری دنیا نے مصروف کر دیا کہ وہ بین الاقوامی طور پر اور غیر ملکی زبانوں میں بھی گنتی کے چند لوگ وہ بھی اسی طرح کے مرد حضرات تھے اسی طرح کی خواتین تھیں کوئی اُن میں کوئی ایسی عجیب بات تو نہیں تھی اُن کا جو آپس میں ایک رشتہ بنا اُس میں اُن دونوں نے فنائیت کی حد تک خود کو محو کر دیا حتی کہ انہیں اپنی فکر نہ رہی کہ میری آبرو بھی ہے یا رہے گی یا جائے گی میرا آرام ہے وہ رہے گا یا جائے گا میرا خاندان ہے وہ رہے گا یا جائے گا۔

مجنوں کا نام قیس تھا مولانا تھانویؒ نے یہ واقعہ بیان فرمایا اپنے واعظ میں اور کتاب کا نام نہیں لیا کہ کہاں سے پڑھا وہ فرماتے ہیں کہ حضرت حسنؓ اور حضرت امیر معاویہؓ میں جب حضرت حسنؓ نے خلافت حضرت امیر معاویہؓ کو سپرد کر دی اور فرمایا آپؓ اس پوری مملکت اسلامیہ کو سنبھالیں اور وہ امیر المومنین ہو گئے تو حضرت حسنؓ اور قیس دوست تھے تو حضرت حسنؓ نے ارادہ فرمایا کہ بیت اللہ سے ہو آنا چاہئے چلو فارغ ہو گئے بار خلافت سے جان چھوٹی تو اُس سفر میں انہوں نے قیس کو بھی ساتھ لے لیا۔ راستے میں باتوں باتوں میں حضرت حسنؓ فرمانے لگے کہ دیکھو قیس مجھ پر اللہ کا کتنا بڑا احسان ہے اور میں نے کتنا بڑا فیصلہ کیا ہے کہ اتنی بڑی ریاست کی حکومت چھوڑ دی اس لئے کہ مسلمانوں کی حالت اور حکومت کے حالات سنبھل جائیں میں نے کتنی بڑی قربانی دی اور حکومت چچا کو دے دی اور انشاء اللہ حالات درست ہو جائیں گے' وہ سنتا رہا' تو انہوں نے کہا کہ سن رہا ہے' بات نہیں کرتا' کہنے لگا میں سوچ رہا ہوں کہ تمہیں تو خلافت جچتی ہی نہیں تھی تم نے چھوڑ دیا تو اچھا کیا تو انہوں نے پوچھا پھر حضرت امیر معاویہؓ کو جچتی ہے انہوں نے کہا نہیں امیر معاویہؓ کہاں اور خلافت کہاں۔ یہ غلط کیا ہے تم نے اس لئے کہ انہیں بھی وہ جچتی نہیں تو وہ بڑے حیران ہوئے کہ تیسرا تو کوئی بندہ تو کسی کے ذہن میں نہیں اور یہ کیا کہتا ہے تو وہ کہنے لگے کہ تمہارے خیال میں موزوں بندہ کون تھا؟ کہنے لگا جچتی تو لیلیٰ کو تھی انہوں نے فرمایا انت مجنوں۔ تو پاگل ہے تو قیس سے اُس کا نام ہی مجنوں پڑ گیا۔ جسے آپ مجنوں کہتے ہیں عربی کا لفظ ہے مجنوں پاگل۔ تو یہ حضرت حسنؓ کا دیا ہوا لقب ہے یعنی وہ اُس رشتے میں اتنا فنا ہو چکا تھا کہ دنیا و مافیہا بھلے بُرے چھوٹے بڑے کی تمیز نہیں رہی۔ حضرت حسنؓ سے بھی کہہ رہا تھا تمہیں نہیں زیب دیتی تھی حضرت امیر معاویہؓ سے بھی کہہ رہا ہے تمہیں نہیں دیتی' زیب کسے دیتی تھی؟ کہتا ہے جچتی تو لیلیٰ کو تھی۔ لو کر لو

گل! انہوں نے مجنوں کہا' تھا بھی مجنوں ہی لیکن وہ عشق ہی کیا جو جنوں نہ پیدا کر دے' وہ محبت ہی کیا جو بندے کو مجنوں نہ کر دے' ہوش بھی سلامت رہے اور دعویٰ عشق بھی رہے! تو سب سے مشکل کام جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے سرانجام دیا' بغیر نبی کے کوئی نہ کر سکا وہ یہ ہے کہ اس مشت غبار کو اللہ سے آشنا کر دیا' کفر کی تاریکیوں سے آدمی کو پکڑا اور اللہ کے روبرو کھڑا کر دیا اور فرمایا خود بات کرو رب العلمین سے۔ آقا نامدار ﷺ نے بت پرستی سے شرک سے کفر سے شراب نوشی سے ڈاکے سے چوری سے کہاں کہاں سے لوگوں کو پکڑا اور اللہ کے روبرو کھڑا کر دیا اور یہ نہیں فرمایا کہ تم مجھے سجدہ کرو میں رب کو کرتا ہوں فرمایا نہیں میں بھی اللہ کو سجدہ کرتا ہوں تم اپنے طور پر اللہ کو سجدہ کرو تم بھی اللہ کو سجدہ کرو۔ یہ لذت آشنائی تھی کہ مٹھی بھر خانہ بدوش صحرائے عرب سے اٹھے اور روئے زمین کو اللہ کے نام سے روشن کر گئے۔ مت بھولو کہ اُس وقت بھی بڑی سپر پاورز تھیں' بڑی بڑی سلطنتیں اور ریاستیں تھیں بڑے بڑے لاؤلشکر تھے بڑی بڑی دنیا میں اقوام تھیں اور اُن کی تہذیب تھی اور اُن کے اپنے طور طریقے تھے' طاقت تھی لیکن

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے

دہر میں اسم محمدؐ سے اجالا کر دے

یہ قوت عشق تھی جو چند سرفروشوں سے لیکر یہ تو ایک وبائی مرض کی طرح پھیلتی چلی گئی اور جگہ جگہ عشاق پیدا ہوتے چلے گئے' دیے سے دیا جلتا گیا اور دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اللہ کے چاہنے والے پیدا ہو گئے اور ایسا نظام بنا دیا ایسا نظام بنا دیا کہ کوئی لمحہ کائنات میں ایسا نہیں گزرتا جس وقت اذان نہ ہو رہی ہو روئے زمین پر آپ اُسے کمپیوٹر میں کرہ ارض کو فٹ کر کے شب و روز کے اوقات کو فٹ کر کے اُسے گھما کے دیکھیں تو دن کی پانچ اذانوں میں سے کسی نہ کسی اذان کا وقت ہر جگہ ہوتا ہے کسی نہ کسی جگہ ہوتا ہے کہیں فجر کی ہو رہی ہو گی کہیں ظہر کی ہو رہی ہو گی کہیں عصر کی کہیں مغرب کی کہیں عشاء کی اور ان میں ایسی عجیب مطابقت ہے کہ آپ اگر اسے کمپیوٹر پہ بیٹھ کے سروے کریں کہ کوئی لمحہ ایسا نہیں کہ زمین کے کسی نہ کسی حصے پر کوئی پکارنہ رہا ہو کہ آؤ اللہ کی طرف' کیسی عجیب بات ہے' آقائے نامدار ﷺ نے جو پکار شروع کی لوگو! کہاں بھٹک رہے ہو، کیوں پریشان ہو، کیوں دکھی ہوتے ہو، ایک محبت الٰہی لے لو اور سارے دکھ بھول جاؤ۔ شاعروں نے عشق و محبت کی عجیب عجیب توجیہات کی ہیں ہندی میں ایک کہتا ہے۔

کاگا سب تن کھائیو چُن چُن کھائیو ماس

کوے سے کہتا ہے کہ میرا سارا وجود کھالینا اور ایک ایک ذرہ گوشت کا نوچ لینا۔

کاگا سب تن کھائیوں چُن چُن کھائیو ماس

دو نین مت کھائیوں مجھے پیا ملن کی آس

آنکھیں رہنے دینا شاید محبوب کی جھلک نظر آ جائے' اپنا اپنا انداز ہے نالوگوں نے کس کس طرح تعبیر کیا ہے مقصد یہ ہے کہ دنیا کے سارے دکھ گزر جائیں سارے نقصانات ہو جائیں سب کچھ چلا جائے مال چلا جائے آبرو چلی جائے وقار چلا جائے دولت چلی جائے نام چلا جائے حتیٰ کہ جان چلی جائے لیکن محبوب سے ملنے کی آرزو ختم نہ ہو۔ یہ کام آقا نامدار ﷺ نے کیا اور اس کی دعوت دیتا ہے' مؤذن اور ایسا ایسا عجیب تکرار ہے آذان میں کہ میں نے خود جب دیکھا تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ کوئی لمحہ ایسا نہیں ہے جس لمحے زمین پر آذان نہ ہو رہی ہو آؤ اللہ کی طرف اللہ بہت بڑا ہے اللہ اکبر اللہ اکبر۔ یہ جب پکارا نہ جا رہا ہو کہ آؤ۔ وہ اتنی عظیم ذات اتنی نعمتیں پیدا کرے' وہ اپنی انسانی تخلیق میں اپنی جگہ رکھے' پھر ہر لمحہ بلا

رہا ہو اُس کا قاصد اور ہمارے پاس بات سننے کی فرصت ہی نہ ہو تو کون سا اسلام کیسی مسلمانی؟ بات نام سے نہیں بات کام سے ہے نام کے اسلام کو تو قیامت میں کوئی نہیں پوچھے گا۔

ساری دنیا کو بھروسہ ہے نبی کریم ﷺ کی شفاعت پر صرف ہمیں نہیں پہلی امتوں کو بھی' حدیث شریف میں واضح آتا ہے کہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی وفد بنا کر بارگاہ نبوی ﷺ میں آئیں گے کہ حضور ﷺ اتنی استدعا کر دیجئے کہ حساب کتاب شروع ہو اور یہ عرصہ محشر تو ختم ہو' اتنا کرم تو کیجئے' لوگ جب عرصہ محشر میں اٹھیں گے تو ہر کوئی چاہے گا کہ حضور ﷺ کے قدموں میں پہنچوں آپ ﷺ کے جھنڈے کے نیچے پہنچوں ہر کوئی دوڑے گا۔ جسے بھی دعوی اسلام ہے دعوی مسلمانی ہے وہ دوڑے گا اُس طرف عجیب حادثہ ہو گا لوگوں کا ہجوم ہو گا اور نبی کریم ﷺ منع فرما دیں گے اور روک دیں گے کہ ان کو اس طرف مت آنے دو۔ بارگاہ الوہیت میں عرض کریں گے یا اللہ ان لوگوں کو میری نگاہوں سے دور کر دے' ان کو میرے پاس مت آنے دے' لے جا جس طرف لے جانا چاہتا ہے اور پھر ساتھ وجہ ارشاد فرمائیں گے رب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن یا اللہ یہ جم غفیر اُن لوگوں کا ہے جنہوں نے اپنی زندگی سے قرآن کو خارج کر دیا تھا۔ میری زندگی نفاذ قرآن میں بسر ہوئی ہے اور ان کی زندگی سے قرآن خارج ہو گیا ان کا میرے ساتھ کیا کام ہے انہیں میرے پاس مت آنے دے۔ کوئی اندازہ کر سکتا ہے اُن لوگوں کی حسرت کا جب میدان حشر میں انہیں یہ جواب ملے گا۔

تو اب تقاضائے محبت یہ ہے کہ زندگی قرآن کے مطابق ڈھل جائے' یہ وہ محبت نہیں جو گوشہ نشینی میں بیٹھ کر کی جائے' یہ وہ محبت نہیں جو برقعہ پہن کر کی جائے' یہ وہ محبت نہیں کہ سارا کاروبار چھوڑ کر ایک جگہ آپ کپڑے پھاڑ کے بیٹھ جائیں' نہیں اس محبت کا تقاضا یہ ہے کہ زندگی کا ہر کام اُس طرح کرو جس طرح اللہ نے حکم دیا اُس طرح کرو جس طرح اللہ کے رسول ﷺ نے کرنے کا حکم دیا۔ تو یہ عشق جو ہے یہ موت نہیں یہ حیات ہے اور یہ بندے کو اُس بلندی پہ لے جاتا ہے کہ اُسے محلے میں کوئی جانتا ہو یا نہ جانتا ہو اُس کے دن بھر کا ٹائم ٹیبل بارگاہ الوہیت میں بنتا ہے' کتنی عظمت ہے ایک بندے کے لئے کہ اُس کے سونے جاگنے کے اوقات من جانب اللہ مقرر ہوں' اُس کے کھانے پینے کی چیزیں یہ نہیں کھانا یہ کھانا ہے یہ لباس نہیں پہننا یہ پہننا ہے یہ بات منہ سے نہیں نکالنی یہ کہنی ہے اس کے سامنے گستاخی نہیں کرنی اور اس کا سر تلوار سے اڑا دو۔ کمال ہے! وہاں نہ مار کے وہاں سر تسلیم خم کر کے معزز ہوتا ہے' یہاں گردن کاٹ کے معزز ہوتا ہے کہیں گردن کٹوا کے سرفراز ہوتا ہے تو بات سے غرض نہیں کہ کام کیا ہوا گردن کٹ گئی کسی کی' اس سے غرض نہیں' غرض اس سے ہے کہ ٹائم ٹیبل کس نے بنایا اُس کے عمل کا اور اُس نے اُس پر عمل کا حق ادا کر دیا۔ ایک بندے کے لئے کتنے اعزاز کی بات ہے کہ سوتا ہے تو اللہ کے اذن اور اجازت سے اور اٹھتا ہے تو اُس کے حکم کے مطابق' سوچتا ہے تو اُس کی مرضی کے مطابق' کام کرتا ہے تو اُس کی پسند سے اور کوئی کام ہی چھوڑ کے بیٹھ جائے تو اُس نے تو نالائقی کی' جس طرح نماز روزہ حج زکوٰۃ فرض ہے اُسی طرح رزق حلال تلاش کرنا بھی فرض عین ہے ملتا وہی ہے جو وہ دیتا ہے لیکن اُس کی تلاش عبادت ہے اُس کے لئے محنت عبادت ہے اسی طرح احقاق حق کے لئے حق کو قائم رکھنے کے لئے کوشش کرنا بندے کے ذمے ہے کر تو وہ خود رہا ہے۔ تو میرے بھائی! میں تو افسانوی سی باتیں کر رہا ہوں اس دور میں ایسے لوگ کہاں! اب تو لوگ اللہ سے محبت بھی کرتے ہیں تو اپنا کاروباری فکر اُس کے درمیان رکھتے ہیں۔ اب تو ایک کاروبار ہے ایک تجارت ہے بندہ برابر کی سطح پر اللہ سے بھی رشتہ

رکھتا ہے کہ میں تیری نماز پڑھوں گا تو میرے بچوں کا روزگار بنا' میں تیری نماز پڑھوں گا تو میرے کاروبار میں منافع دے' میں تیری نماز پڑھوں گا تو میری بیماری ٹھیک کر دے یہ تو ایک لین دین کرتا ہے اب تو بندہ۔ بندہ برابری کی سطح پر آ گیا ہے لین دین تو برابر سے ہوتا ہے نا۔ تو بہر حال ہماری تو چونکہ نوکری ہے ذمہ داری ہے اس قابل نہ تھے لگ گئی نبھانی پڑ رہی ہے بات تو کرنی پڑے گی آگے اُس کا کیا ہوتا ہے وہ جانے اُس کے بندے جانیں۔ ہماری آرزو تو یہ ہوتی ہے کہ اللہ سب کے دلوں کو درد آشنا کر دے سب کو خلوص دے سب کو اپنی طلب دے اور جب طلب ہوتی ہے تو راستے خود بخود کھلتے چلے جاتے ہیں۔ اب کتنے خط آتے ہیں کتنی باتیں ہوتی ہیں ذکر نہیں ہوتا ذکر میں وسوسے بہت آتے ہیں نماز چھوٹ جاتی ہے یہ ہوتا ہے وہ ہوتا ہے اب اِس کا بھلا کیا جواب دیں! بات یہ نہیں کہ ذکر نہیں ہوتا بات یہ ہوتی ہے کہ وہ کرنے نہیں دیتا، اب کیا کیا جائے، کہیں آپ نے کوئی اینچ پینچ کیا ہوگا اُسے پسند نہیں آیا اُس نے کہا اچھا تو چھوڑ دے۔ نماز پڑھنے کو جی نہیں چاہتا تو آپ نے نماز میں کوئی سودا بازی کی ہوگی اُس نے کہا ہوگا تو رہنے دے کونسے عرش کو دراڑیں پڑ رہی ہیں تیرے سجدے نہ کرنے سے۔ چونکہ یہ تو اُس کا وعدہ ہے کہ جو خالص مجھے چاہتا ہے۔ والذین جاھدو افینا۔ جو میرے لئے تڑپتا ہے میں اُس کے لئے ایک نہیں ہزار راستے کھول دیتا ہوں۔ تو پھر تیرا بند کیوں ہو گیا؟ تیرا اور میرا بند کیوں ہو جاتا ہے؟ جب وہ فرماتا ہے کہ جو میرے لئے تڑپتا ہے جو مجھے چاہتا ہے جو میرے لئے محنت کرتا ہے۔ والذین جاھدو افینا۔ میری طلب میں تو اُس کے لئے تو میں ہزاروں سبلنا۔ اُس نے تعداد بتائی نہیں آپ لاکھوں کہیں تو بھی سما جائے گا کروڑوں کہیں تو بھی اُس کے لئے بے شمار راہیں کھول دیتا ہوں اپنی بارگاہ میں آنے کی تو پھر ہماری راہ میں رکاوٹ کیوں؟ جی

کبھی شیطان وسوسہ ڈال رہا ہے کبھی سستی ہو رہی ہے اب وضو کرنے کو جی نہیں چاہتا اب نماز پڑھنے کو جی نہیں' کیوں؟ اُس فینا میں کہیں کوئی ہم نے گڑبڑ کی ہوگی' کہیں ہم نے سودا بازی کرنے کی کوشش کی ہوگی اُسے کیا ضرورت ہے ہم سے سودے کرتا پھرے۔ خالق کو مخلوق کی کیا پرواہ' کوئی محتاج تو نہیں ہے محتاج تو ہم ہیں ہم اپنی حیثیت بھول گئے۔

ان اللہ غنی وانتم الفقراء۔ وہ غنی ہے بے نیاز ہے تم ہمیشہ محتاج ہو ہمیشہ فقیر ہو تمہارے مزاج میں تمہارے میں احتیاج اور فقر ہے۔ بھئی یہ جو ذکر میں کمی آتی ہے۔ نمازیں چھوٹتی ہیں یا معاملات میں کوتاہیاں اور غلطیاں ہوتی ہیں' گناہ صادر ہونے لگتے ہیں اس کے پیچھے طلب میں کہیں فتور آتا ہے' کھٹ بٹ کہیں ہوتی ہے طلب الٰہی میں' تو جب کبھی ایسا ہو اللہ سے رجوع کرو' توبہ کرو اور دعا کرو کہ یا اللہ میں نالائق ہوں مجھے تیری طلب کی بھی سمجھ نہیں ہے کہ کیا کروں' مجھے طلب بھی دے اور طلب کی آرزو بھی دے اور اُس کا شعور اور احساس اور ادراک تو ہی دے۔ مجھے کہو گے میں کیا کر لوں گا؟ کسی اور سے کہو گے وہ کیا بگاڑ لے گا؟ سارے ہی تو ایک جیسے ہیں سب محتاج ہیں اور سب نے وہیں درخواست کرنی ہے اور اُسے سب سے زیادہ بات پسند آتی ہے جب کوئی بندہ اپنا دکھ لے کے خود جاتا ہے وہ بڑا پسند کرتا ہے' وہ چاہتا ہے کہ ہر بندہ میرے پاس آئے میرے ساتھ بات کرے کیا تکلیف ہے' اُسے مجھے بتائے' میرے ساتھ تو اپنا تعلق قائم کرے پھر میں جانوں اور وہ جانے' جب اُس سے رشتہ ہو جاتا ہے تعلق استوار ہوتا ہے تو دکھ دکھ رہتا نہیں دکھ کا ہوش کسے ہوتا ہے پتہ ہے ڈاکٹر ایک ٹیکہ لگا دیتے ہیں پھر آپریشن کرتے رہتے ہیں چیرتے پھاڑتے رہتے ہیں درد کیوں نہیں ہوتا؟ اُس کا اثر ہوتا ہے اُس دوائی کا' سپرے کر دیتے ہیں گوشت کاٹتے رہتے ہیں درد نہیں

ہے اُس میں اگر اتنا اثر ہے تو عشق الٰہی کا ایک ذرہ نصیب ہو جائے تو دکھوں کا احساس کسے رہتا ہے دکھ بھی ٹکریں مار مار کے واپس چلے جاتے ہیں درد نہیں ہوتا۔

دنیا کا ایک نظام ہے اُس میں ہر کوئی ہے انبیاء علیھم السلام شہید کئے گئے ظلماً قتل کئے گئے گردنیں اڑا دی گئیں آرے سے چیر دیئے گئے اللہ کے ایک نبی نے کفار سے بچنے کے لئے ایک درخت کو حکم دیا مجھے چھپا لے اُس نے چھپا لیا غیرت الٰہی کو جوش آیا انہوں نے ایک دامن باہر رہنے دیا۔ پیچھے تعاقب والوں نے دیکھ لیا کہ بندہ تو اس تنے میں ہے اس کا کپڑا باہر ہے انہوں نے اوپر سے آرا رکھ دیا۔ اب بات اتنی سی تھی کہ مجھے کیوں نہیں کہا' درخت کو کیوں کہا۔ اتنی سی بات پہ اتنی سزا کہ آرے سے چر گئے اور انہوں نے اُف نہیں کی یا اللہ یہی علاج ہے میرا مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔

قربیاں را بیش بود حیرانیاں

جتنا کسی کو قرب نصیب ہوتا ہے معاملہ اتنا زیادہ نازک ہو جاتا ہے تو پھر دکھ دکھ نہیں رہتے جب یہ رشتہ نصیب ہو جاتا ہے۔ دعا کیا کرتا ہوں لیکن میں خوش نہیں ہوں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ میری نالائقی ہے ہم سب کی لانائقی ہے ہم کر کچھ نہیں رہے ہمارا ہونا نہ ہونا کوئی تاریخ انسانی میں اس کی حیثیت نہیں ہے ملکی اور قومی تاریخ میں بھی اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ ایک مجنوں تھا ساری دنیا اُسے جانتی ہے ایک بندے کے ساتھ اُس کا رشتہ ساری دنیا اُسے جانتی ہے اور ہم اتنے ہزاروں کی تعداد میں عشق الٰہی کا دعویٰ بھی ہے پھر ہمیں جانتا ہی کوئی نہیں' کسی کو پتہ ہی نہیں' ہمیں خود شکایت ہے کہ جی ابھی ذکر نہیں ہوتا' جی سستی ہو جاتی ہے' جی نماز نہیں پڑھی جاتی' جی یہ نہیں ہوتا وہ نہیں ہوتا کیا کونسی محبت؟ کونسا عشق ہے یہ؟ کونسی قسم ہے عشق کی اور کونسی قسم ہے محبت کی؟ کہاں کہیں کوئی کمی ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ کوئی شخص بھاگا ہوا تھا کسی حکومت سے چھوٹی چھوٹی ریاستیں ہوتی تھیں برصغیر میں کسی دوسری ریاست میں جا کر کسی دریا کے کنارے بیٹھ کر اللہ والوں کا بھیس بنا کر اللہ اللہ کرنا شروع کر دیا کچھ سن رکھا تھا بزرگوں سے اب طالب اُس کے پاس آنا شروع ہو گئے اور وہ انہیں ذکر کراتا مراقبات کراتا اُس نے سنا ہوا تھا ایسا ہوتا ہے تو وہ انہیں چلو جی احدیت معیت اقربیت یہ وہ۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اللہ کی شان اُس نے لوگوں کو سالک المجذوبی تک مراقبات کرائے اُس نے کیا کرانے تھے وہ تو باتیں کرتا رہا اور اُن کی طلب صادق تھی اللہ عطا کرتا رہا تو وہ ساتھی آپس میں بیٹھتے تو کہتے حضرت کے منازل کو دیکھا جائے تو کوئی سمجھ نہیں آتی کہتے بھائی بہت بلند ہیں کہیں حضرت کے منازل کا کوئی پتہ نہیں چلتا حضرت کو ہوتے تو پتہ چلتا ایک دن انہوں نے پوچھ لیا یہ واقعہ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بارہا بیان فرمایا۔ ایک دن انہوں نے پوچھ لیا کہ حضرت آپ کے منازل اُن کے بارے میں بھی تو کچھ فرمایئے اُس شخص کو بڑا احساس ہوا رو دیا۔ اُس نے کہا یہ تو اُس کی بے نیازی ہے اور تمہاری طلب سچی ہے مجھے الف ب بھی نہیں آتا۔ میں تو باتیں بناتا رہا اور تمہیں مراقبات نصیب ہو گئے یہ اُس کی عطا ہے' میرے پلے کچھ نہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وہ سب گڑگڑانے لگے اے اللہ اگر اس نے غلط بھی کہا تو تیری بارگاہ میں تو پہنچا دیا۔ اب تو اسے محروم نہ رکھ اسے تو ہم سے آگے ہی لے جا۔ یعنی طلب صادق ہو تو کیا نہیں ہو سکتا۔

تو میرے بھائی! میں آپ سے یہ کہوں کہ میں بڑا خوش ہوں آپ بڑا کام کر رہے ہیں مجھے کوئی خوشی نہیں' میں نے مرکز سے نکلنا چھوڑ دیا ہے اس لئے کہ میں سمجھتا ہوں کہ کچھ بھی نہیں ہو رہا' کیا فائدہ

وقت ضائع کرنے کا؟ ہمیں سیاسی شہرت یا اخباری شہرت تو نہیں چاہئے کہ جی حضرت فلاں جگہ تشریف لے گئے اور اتنے لوگ جمع ہوئے اُس سے کیا ہوگا؟ وہ قیامت کو شمار کئے جائیں گے' انسانی نصیب اُس سے بدلا جائے گا۔ دنیا سے اُس ہماری اخباری شہرت سے دنیا سے فساد ختم ہو جائے گا! کچھ بھی نہیں ہوگا بلکہ ہم میں تکبر آئے گا پہلے گناہ بہت ہیں ایک فرعونیت اور آ جائے گی اس سے بہتر ہے اپنا بیٹھ کے بندہ مزدوری کرے اور جو آئے اُسے اللہ اللہ بتا دے۔ لیکن دل یہ چاہتا ہے کاش! ایسا ہو کہ ہر گھر میں ہر قریے میں ہر شہر میں اُس کی طلب پیدا ہو جائے' پھر سے مسلمانوں کے دل درد آشنا ہوں پھر سے ایک انقلاب آئے پھر سے ایک تبدیلی آئے جو خالصتاً اللہ کے لئے ہو اللہ کے حبیب ﷺ کے لئے ہو' اسلام کی سربلندی کے لئے ہو ورنہ محض برائے نام دورے کرنا اور اخباروں میں لکھنا وہ سب اُس کا کیا حاصل؟ کیا فائدہ؟ اُس کی کیا اُس کے لئے تو بے شمار لوگ ہیں۔ تو یہ مدار ہے ہمارے خلوص نیت پر اور ہماری طلب کی صداقت پر۔ جاھد وافینا۔ میری ذات میں ہمارے لئے کون تڑپتا ہے کتنا تڑپتا ہے۔ کاش میں آپ کو یہ تڑپ دے سکوں۔ اللہ کریم یہ آرزو پوری فرمائے ہر دل یہ درد لے کر جائے درد آشنا ہو اور اس درد کو بانٹے اور ایک عالم ایسا پیدا ہو جائے جس کا ہر کام مرضیات باری اور اتباع پیامبر ﷺ ہو، کسی کو خاطر میں نہ لائے تو پھر شہنشاہوں کے تاج بھی ایسے لوگوں کے پاؤں کی ٹھوکروں میں ہوتے ہیں۔

وآخر دعونا ان الحمدللہ رب العلمین

☆☆☆

تزکیہ نفس

حافظ غلام قادری

E-mail: g_qadri@yahoo.com

تزکیہ باطنی طہارت کا نام ہے یا یہ ایک قلبی اور روحانی کیفیت ہے جس کے طفیل دل میں خلوص اور اطاعت الٰہی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، گناہ و معصیت سے نفرت ہونے لگتی ہے اور اطاعت رسول ﷺ کا جذبہ نصیب ہوتا ہے۔ اس کا ثبوت صحابہ کرام کی مقدس زندگیاں ہیں۔ آپ ﷺ کی بعثت کے وقت دنیا کی اخلاقی حالت عموماً اور اہل عرب کی خصوصاً تباہی کے آخری کنارے پر پہنچ چکی تھی۔ آپ ﷺ کی بعثت نے انسانیت کو حیات نو بخشی اور انہی لوگوں کو وہ اخلاقی عظمت اور خلوص ولاہت نصیب ہوئی کہ تاریخ انسانی اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ یہ تزکیہ کا ہی اثر تھا جس نے مشرکوں سے موحد، بت پرستوں سے بت شکن، ڈاکوؤں سے غازی، ظالموں سے ایثار پیشہ، رہزنوں سے رہبر اور جاہلوں سے فاضل پیدا کئے۔

آپ ﷺ کی تعلیمات، ارشادات اور فیض صحبت ''تزکیہ'' کی اصل اور بنیاد ہے۔ صرف تعلیمات تو کافر بھی سنتا اور جانتا ہے مگر ایمان نہ ہونے کی وجہ سے فیض صحبت سے محروم ہو کر ''تزکیہ'' سے محروم رہتا ہے لیکن مومن اپنے ایمان کی وجہ سے ان کیفیات کو حاصل کر لیتا ہے جو آپ ﷺ کی صحبتیں بٹتی ہیں۔

آپ ﷺ سے دو طرح کا فیض نصیب ہوتا ہے ایک علم ظاہر جو آپ ﷺ کے اقوال و افعال سے مرقع ہے۔ قرآن حکیم، احادیث مبارکہ اور فقہ سب اسی قبیل سے ہیں۔ دوسرا فیض صحبت جو انعکاسی طور پر مجلس میں حاضر ہونے والوں کو نصیب ہوتا ہے جو مس خام کو کندن بنا دیتا ہے، دلوں کو روشن اور سینوں کو منور کر دیتا ہے اور استقامت علی الحق کی استعداد پیدا کرتا ہے۔ پہلی قسم کے فیض کی بنیاد بھی یہی فیض صحبت ہے ورنہ صرف علم سے فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

علماء کا کام کافروں کو اسلام کی طرف راغب کرنا ہے جبکہ آج علما باہم دست و گریباں ہیں اور دوسروں پر کفر کے فتوے لگا رہے ہیں۔ یہ جگہ جگہ کفر سازی کا کام کیوں ہو رہا ہے؟ اسکی بنیادی وجہ صرف یہی ہے کہ انہیں تزکیہ قلوب نصیب نہیں لہذا دین بھی قسمت میں نہیں بلکہ محض اپنے وقار کے لئے ایک لاحاصل جنگ جاری ہے صرف وہ حضرات اس مصیبت سے محفوظ ہیں جو تزکیہ باطن کے لئے کوشاں ہیں کیونکہ یہی دین کی بنیاد ہے۔

تزکیہ نفس سے وہ قلبی طہارت نصیب ہوتی ہے جو دل سے انانیت کے بت کو نکال کر عظمت الٰہی کو دل میں جاگزیں کرتی ہے جو مومن کو رسول اکرم ﷺ کے دامن شفقت میں پہنچا کر خالص عقائد اور سنت کے مطابق اعمال کی صلاحیت عطا کرتا ہے۔ نگاہ مومن کو وہ وسعت نصیب ہوتی ہے کہ دونوں جہاں ان کے سامنے ہوتے ہیں، وہ اس کیفیت کے انسان ہوتے ہیں جو دنیا میں رہتے ہوئے آخرت کی تعمیر کر رہے ہوتے ہیں۔

تزکیہ نفس نگاہ مصطفیٰ ﷺ اور محبت نبوی ﷺ سے نصیب ہوتا ہے۔ صفائی باطن سے ولایت خاصہ نصیب ہوتی ہے۔ اگر سارے جہاں کے ولی اللہ جمع ہو جائیں تو صحابی نہیں بن سکتے بلکہ

صحابی کی گرد پا کو بھی نہیں پا سکتے۔ آپ ﷺ کی محبت کا کمال یہ ہے کہ ان واحد میں درجہ صحابیت پر فائز کر دیتی ہے۔ یہ عمل انعکاسی اور القائی ہے۔ حضور ﷺ سے صحابیؓ، ان سے تابعین اور ان سے تبع تابعین نے اور پھر ان سے اولیاء اُمت نے حاصل کیا۔ یہ نعمت عظمیٰ تمام مسلمانوں کی امانت ہے لہٰذا تمام مرد و زن کو چاہیئے کہ اس نعمت کے حاملین کو تلاش کریں اور ان سے یہ کیفیات حاصل کرنے کی سعی کریں کیونکہ فیضانِ نبوی ﷺ تو قیامت تک آنے والی انسانیت کے لئے عام ہے۔

تعلیمات نبوی ﷺ قرآن و حدیث ہر ملک میں ہر جگہ دستیاب ہیں تو تزکیہ جو کیفیات قلبی ہیں جن میں تحریف کا ڈر نہ ملاوٹ کا اندیشہ ہے وہ کیونکر ضائع یا ختم ہو سکتی ہیں اور اگر خدانخواستہ ایسا ہو تو پھر دین ہی کہاں رہا! یہ اور بات کہ اس کے امین کمیاب ہیں ایسے لوگ تھوڑے تو ہو سکتے ہیں لیکن ختم نہیں ہو سکتے کہ انہیں حفاظت باری حاصل ہے اور یہی لوگ دنیا کے قیام کا سبب ہیں، جب یہ ختم ہو گئے تو سب کچھ ختم ہو جائے گا اور قیامت قائم ہو جائے گی۔

یہ آج کے دور کی مصیبت ہے کہ کیفیات باطنی کے طلبگار کم ہو چکے ہیں اور روشن دل رکھنے والوں میں ایسے باہمت جو دوسروں کے دلوں کو بھی روشن کریں اور بھی کم ہیں۔ تزکیہ نہ ہونے کا اثر یہ ہے کہ لوگ کتاب اللہ پڑھتے بھی ہیں اور پڑھاتے بھی ہیں مگر عمل میں بہت کمزور ہیں۔ اللہ کریم ہم سب کو دلوں کی روشنی نصیب فرمائے۔ آمین

آج تعلیم یافتہ طبقے نے بھی تزکیہ کی اہمیت کو فراموش کر دیا ہے اور کاملین کی صحبت کی ضرورت ہی محسوس نہیں کر رہے۔ اسی لئے علم دین بھی ان کو دنیا ہی کمانے کا ذریعہ نظر آیا۔ کچھ لوگوں نے علم کی ضرورت محسوس نہیں کی اور محض پیروں کے پیچھے بھاگنے لگے جبکہ یہ دونوں راستے درست نہیں اس مقصد میں کامیاب صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو ماہر علما اور تربیت یافتہ کامل مشائخ کی صحبت اختیار کر کے حضور ﷺ سے حاصل ہونے والی دونوں طرح کی نعمت حاصل کرتے ہیں گویا تعلیم کتاب و حکمت کا مدار تزکیہ پر ہے جب تک یہ نعمت نصیب نہ ہو حقیقی اور نافع علم نصیب نہیں ہوگا۔

علماء متقدمین کی سوانح سے پتہ چلتا ہے کہ علم سیکھنے کے بعد پھر شیخ کامل کی تلاش میں نکلتے، اُن سے فیض حاصل کرتے اور پھر عالم باعمل بن کر اصلاح خلق کا فریضہ ادا کرتے جبکہ آج چند رسالے پڑھنے والے فاضل بن بیٹھے ہیں اور تصوف و تزکیہ نفس پر اعتراض کرتے ہیں۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

دوسرا طبقہ بغیر علم سیکھے صرف پگڑی باندھ کر کسی گدی پر براجمان ہو گیا۔ عمر عزیز مرغ لڑانے میں بسر کی اور اب لاکھوں لوگوں کی قسمت سے کھیل رہے ہیں۔

قارئین محترم! تزکیہ نفس کے لئے کتاب اللہ اور معلم دونوں کی ضرورت ہے۔ نماز میں توجہ الی اللہ نصیب نہ ہونا، نیکی کا کردار پر کچھ اثر نہ ہونا، امانت و دیانت کا نہ پایا جانا اور باوجود خواہش کے نیکی سے محروم رہنا اسی طرح کی تمام بیماریوں کا علاج تزکیہ نفس سے ہی ممکن ہے۔ زندگی چونکہ Single Chance ہے اس لئے اس کو ہمیشہ کے خسارے سے بچانے کے لئے انعام یافتہ لوگوں کی تلاش بے حد ضروری بلکہ ناگزیر ہے اور یہ آج، ابھی، اسی وقت کا کام ہے۔

فارسی کے ایک شعر کا مفہوم اس طرح ہے کہ ''گفتار سے کردار کا سفر طے کرنے کے لئے کسی کامل شیخ کا دامن تھام لو ایسے ہی کاملین کی غلامی حیات آفرین ہوا کرتی ہے اور حقیقی علم سے آشنائی نصیب کرتی ہے۔''

مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْر

عبد الستار ولد محمد قاسم

☆ ....راجستھان (انڈیا)

میرا تعلق ''جی گوڈ'' ضلع ''بھلواڑا'' سے ہے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد اپنے کارخانے میں کام شروع کر دیا۔ ہمارا ٹریکٹر ٹرالی بنانے کا کارخانہ ہے۔ نماز میں خشیت الٰہی نہیں تھا ورنہ داڑھی، نماز بچپن سے ہی نصیب تھی۔ میں قرب الٰہی کا متلاشی تھا۔ 1983ء میں تبلیغی جماعت والوں کے ساتھ تعلق باللہ کو پانے کے لئے تبلیغی چلے لگائے، وظیفے پڑھے، تسبیح ہر وقت ہاتھ میں رہتی۔ ایک حافظ صاحب نے سمجھایا'' کہ وظیفہ اچھی چیز ہے لیکن تزکیہ نفس اور اصلاح قلب لسانی اذکار سے ممکن نہیں جب تک کسی اللہ والے سے کیفیات و برکات نصیب نہ ہوں''۔ میرا جواب تھا کہ ''ایسے لوگ اس دور میں کہاں!'' انہوں نے سمجھایا کہ ''جس رب العالمین نے بدن کی ضروریات کے اسباب پیدا فرما رکھے ہیں وہ بھلا ایمان اور روح کی ضروریات اس دور میں بند کر دے گا! طلب صادق شرط ہے، اللہ سے مانگو'' میں نے دعا شروع کر دی۔ کچھ عرصہ بعد 1989 میں انہوں نے حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ کا تعارف کرایا اور ''ارشاد السالکین'' نامی کتاب دی لیکن دو بارہ حافظ صاحب سے ملاقات 1997ء میں ہوئی اس ملاقات میں انہوں نے ساتھ بٹھا کر ذکر کا طریقہ بتلایا اور ذکر کرایا۔ حضرت المکرم سے رابطہ کیا تو جواب ملا ''محمد مالک سے رابطہ کریں'' مالک صاحب سے ملاقات ہوئی۔ ذکر شروع کرتے ہی محسوس ہوا کہ قلب ہر طرف سے روشن ہے۔ جو طلب تھی اللہ تعالیٰ نے عطا کر دی۔ مالک صاحب تشریف لائے تو کئی لوگ ذکر کرنے لگے۔ مجھے دعوت اور ذکر کے لئے لٹریچر تقسیم کرنے کی ڈیوٹی دی گئی۔ دعوت نے اثر دکھایا۔ ساتھیوں کی تعداد بڑھنے لگی۔ ذکر کی کیفیات اور برکات بیان کرنے کے لئے الفاظ ناکافی ہیں۔ انعامات الٰہی کی حد نہیں تھی لیکن رکاوٹیں بھی شدت سے آئیں، یہ ہمیشہ سے ابلیس لعین کا طریقہ رہا ہے اسی لئے اللہ والوں پر ہمیشہ فتوے لگے۔ گھروں، شہروں اور ملکوں سے نکالے گئے۔ اللہ اللہ کرنے اور اس نعمت کو عام کرنے کے صلہ میں اپنے ہی پرائے ہونے لگے۔ احباب بھی شریک ہو گئے اور یوں پورا گاؤں ہی نہیں پورا علاقہ مخالفت پر اُتر آیا۔ حالات نے گھروں سے نکلنا بند کروا دیا، لوگ بے دین سمجھ کر جان لینے کے درپے ہو گئے۔ کچھ نے ملک سے غداری کے الزامات لگائے جو بعد میں غلط ثابت ہوئے۔

تبلیغی جماعت کے احباب کی سادگی نے سب سے زیادہ حیران کیا کیونکہ کیونکہ تبلیغی جماعت کے بیان کردہ نصاب کے 6 نمبروں میں سے ایک نمبر اس ذکر کا ہے گویا تبلیغ کا 1/6 ذکر ہے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ خود ذاکر تھے، کتابوں میں انہوں نے ذکر کی فضیلت بیان کی ان کی کتاب ''شریعت وطریقت کا تلازم'' کے صفحہ 122 پر ذکر پاس انفاس کا مکمل باب ہے وہ فرماتے ہیں ''پاس انفاس بھی مشائخ سلوک کے یہاں اہم اشغال میں ہے جس میں سانس کے ساتھ اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے'' نیز ''شفا العلیل'' صفحہ نمبر 57 میں لکھا ہے ''طریقت کے بزرگوں نے لکھا ہے کہ نفس کے خطرات

اور وساوس کے دور ہو جانے میں اس کا بڑا اثر ہے'' کسی عارف نے فرمایا ہے کہ ''اگر تو پاس انفاس کا اہتمام کرے تو تجھے یہ بادشاہ تک پہنچا دے گا'' ضیا القلوب میں لکھا ہے کہ ''انسان کو ہر سانس پر ہوشیار اور بیدار رہنا چاہیئے اور بغیر پاس انفاس کی مدد کے انسان کا قلب کدورتوں اور تاریکیوں سے ہرگز صاف نہیں ہو سکتا'' چونکہ یہ ذکر قلب کو صاف کر کے کدورتوں سے پاک انوار الہیہ کا محبط بنا دیتا ہے۔

حضرت مدنی رحمتہ اللہ علیہ ''مکتوبات'' صفحہ نمبر 93 میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''پاس انفاس سے اصلی غرض یہ ہے کہ انسان کا کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ رہے۔ انسان دن رات میں تقریباً پچیس ہزار مرتبہ سانس لیتا ہے وہ سب کا سب ذکر سے معمور رہے''

مشکوۃ شریف کی ایک طویل حدیث مبارکہ میں اہل جنت کے باب میں فرمایا گیا ہے کہ ''اہل جنت کو تسبیح وتحمید ایسے الہام کئے جائیں گے جیسے بلا اختیار تم کو سانس آتا ہے''

مجھے تبلیغی جماعت کے احباب کی سادگی پر حیرت ہوتی ہے کہ جن بزرگوں نے یہ کام شروع کیا وہ کیا کرتے تھے اور یہ اُن کے نام پر کیا کر رہے ہیں اور چلتے چلتے کہاں تک جا پہنچے ہیں۔ ہماری دعائیں ان کے ساتھ ہیں کیونکہ یہ لوگ نیک اور مخلص ہیں اگر خلوص قائم رہا تو انشاء اللہ کبھی ذکر بھی ضرور کرنے لگیں گے۔

ان مشکلات اور رکاوٹوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے استقامت نصیب فرمائی اب گاؤں میں اللہ کے فضل سے 125 آدمی سلسلہ عالیہ سے منسلک ہیں۔

امسال اگست 2006ء کے سالانہ اجتماع میں ناچیز کو روحانی بیعت کی سعادت نصیب ہوئی۔ یہاں آکر کیفیات نصیب ہوئیں، عشق الٰہی اور محبت رسول اللہ ﷺ کے جذبے نصیب ہوئے۔ اللہ کریم کی کس قدر رحمت ہے کہ اس گئے گزرے دور میں بھی ایسا شیخ کامل موجود ہے جو سالک کو بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر کر کے حضور ﷺ کے دستِ اقدس پر روحانی بیعت کی عظیم ترین سعادت کا حامل ہے۔ کاش! ہر مسلمان اس نعمت عظیم کو حاصل کرنے دارالعرفان منارہ حاضر ہو۔ الحمد اللہ 10 اگست 2006 کو سالک المجذوبی کے منازل نصیب ہوئے۔ یہ سب لفظوں کی دنیا سے ہٹ کر کیفیات اور محسوسات کی باتیں ہیں جو شائد کسی متلاشی حق کے لئے رہنمائی کا سبب بن جائیں

دارالعرفان منارہ میں حضرت المکرم مدظلہ کی زیارت، ساتھیوں سے ملاقات مخلص لوگ اور محافلذکر زندگی کا حاصل ہیں سب ساتھیوں سے استقامت کی دعا کے ساتھ اجازت۔ اللہ حافظ

عبدالستار ولد محمد قاسم

راجستھان انڈیا

فون: 00919414677118

☆☆☆

نوٹ

عبدالستار صاحب کو امسال صاحب مجاز راجستھان کی ذمہ داری عطا کی گئی۔

یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے
یہ بڑے نصیب کی بات ہے

انسان اگر ذات باری سے دور ہوتا چلا جائے تو دل انوارات سے خالی ہو کر شیطان کی قرارگاہ بن جاتا ہے۔ پھر جوں جوں دور ہوتا جائے تو شیطان کو کھل کر کھیلنے کا موقع ملتا ہے۔ پھر ظلمت بڑھتی چلی جاتی ہے لیکن قرب الٰہی کی صورت میں ابتداء ہی نورانیت کے ظہور سے ہوتی ہے اور جوں جوں ترقی نصیب ہوتی جاتی ہے نورانیت بڑھتی چلی جاتی ہے جس کی وجہ سے ملائکہ مقربین کا نزول قلب پر ہوتا ہے جو اس کے لئے بشارت' سکون اور اطمینان کا باعث بنتے ہیں۔

کنزالطالبین

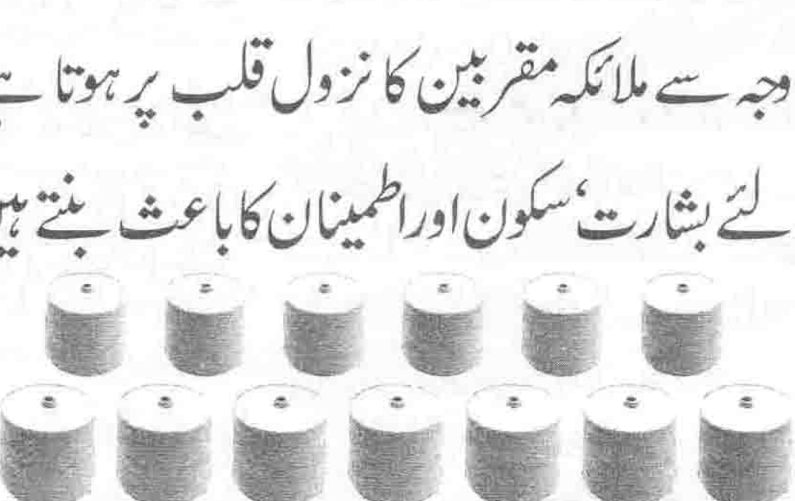

اسٹیبلشمنٹ اور 16 کروڑ ایٹم بم

حسن نثار

☆ چوراہا

''جیسی قوم ہو ویسے ہی حکمران اس پر مسلط کر دیئے جاتے ہیں''

''عوام اپنی اشرافیہ کا عکس ہوتے ہیں''۔

دونوں باتیں ہی مبنی بر حقیقت ہیں اور اگر ان کی گہرائی میں اتر کر دیکھا جائے تو دراصل دونوں اقوال ایک ہی سکے کے، دو رخ ہیں ''جیسی روح ویسے فرشتے'' اور ''جیسا منہ ویسا تھپڑ'' بھی اسی ''فلسفے'' کی دو عوامی قسم کی شاخیں ہیں۔

عوام اگر اپنی حکمران اشرافیہ کو گھٹیا اور ہلکا سمجھتے ہیں تو انہیں یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ وہ انہی کا ''عطر'' یا ''کونسٹریٹ'' ہیں اور اگر حکمران عوام کو گھٹیا اور ہلکا سمجھتے ہیں تو انہیں بھی یہ جان لینا چاہئے کہ وہ بھی اسی زہریلے دودھ کا ''مکھن'' ہیں۔

ہم کون ہیں؟

ہمارا ''کیس'' کیا ہے؟

عوام اشرافیہ سے بددل اور بیزار تو دوسری طرف اشرافیہ عوام سے بددل اور بیزار ...... دونوں ایک دوسرے سے مایوس اور متنفر لیکن عوام اپنی مظلومیت اور مجبوریوں کی وجہ سے چپ اور حکمران اپنی منافقت اور ضرورت کے سبب، انہیں ''غیور اور باشعور'' کہنے پر مجبور حالانکہ دونوں کے ساتھ بھرپور انہ/ایکشن کے بعد میں اس تکلیف دہ نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اندر سے دونوں ایک دوسرے سے گھن کا اظہار کرتے ہیں۔ میں نے بڑے بڑے پھنے خان سیاستدانوں کو نجی محفلوں میں حقارت سے عوام کا ذکر کرتے سنا ہے اور وہ اپنی جگہ پر حق بجانب ہیں جبکہ عوام ان کے پیچھے پیچھے پھرنے کے باوجود پیٹھ پیچھے انہیں نااہل چوروں کے ٹولے سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتے اور یہ بھی اپنی جگہ سچے ہیں تو ۱۶ کروڑ انسانوں پر مشتمل یہ ہجوم اس پیراڈوکس اور شیطانی چکر سے کیسے نکلے؟

کوئی معجزہ نہیں ہوگا اور نہ ہی کوئی مسیحا آئے گا تو پھر کیا کریں؟ اجتماعی خودکشی کے سفر پر روانہ رہتے ہوئے اپنی منطقی منزل کا انتظار کریں یا بیمار ہجوم کوئی حیلہ کرے؟

سب سے پہلے عوام کو اپنا لیڈر **Define** کرنا ہوگا اور ایسا کرتے ہوئے یہ ذہن میں رکھنا ہوگا کہ مختلف مراحل میں مختلف قسم کے لیڈر درکار ہوتے ہیں اور ہم گذشتہ ساٹھ سال سے جس ''مرحلہ'' میں سے گزر رہے ہیں اس میں ہمیں کسی روایتی لیڈر کی نہیں دراصل ایک ٹیچر کی ضرورت ہے روشن خیالی اور اقتصادی خوشحالی اپنی جگہ انتہائی اہم ہیں لیکن اولین ضرورت ...... تربیت کی ہے ایک ایسا لیڈر جو مقبولیت اور غیر مقبولیت سے ماورا ہو کر بگڑے بچوں کی تربیت کر سکے۔ بالکل ایک ایسے استاد کی طرح جس کی نظر اپنے بچوں کے مستقبل پر ہوتی ہے اپنی مقبولیت پر نہیں۔ ہم میں سے اکثریت کو بچپن میں کسی نہ کسی ایسے استاد سے واسطہ ضرور پڑا ہوگا جو بچپن لڑکپن میں تو زہر لگتا تھا لیکن عملی زندگی میں قدم رکھنے کے بعد وہی زہر ہمیں ایسا تریاق محسوس ہوا کہ اس کا خیال آتے ہی احترام و عقیدت سے

گردن جھک جاتی ہے۔

یہاں ہماری نام نہاد اسٹیبلشمنٹ کا رول شروع ہوتا ہے جس نے گذشتہ ۶۰ سال سے اس ملک کو تجربہ گاہ بنایا ہوا ہے کبھی جاگیردار، کبھی جرنیل، کبھی صنعت کار...... کبھی ''ملکی مال''، کبھی ''غیر ملکی میٹریل''...... کبھی کوئی ''ماہر اقتصادیات'' اور کبھی کوئی ماہر سیاسیات...... رنگ برنگے لیڈر بنائے اور آزمائے گئے لیکن ہر ''جگاڑ'' کے نتیجہ میں بگاڑ بڑھا تو بہت کم بھی نہیں ہوا۔ اور قوم مسلسل ایک قدم آگے دو قدم پیچھے کے کھیل سے اپنا پیچھا نہیں چھڑا سکی۔ اب یہ اسٹیبلشمنٹ کسی ٹیچرز کو ''مینوفیکچر'' کرنے کی فکر کرے کیونکہ کم از کم مجھے تو اس کے علاوہ اور کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا۔

اصیل مرغوں کی طرح اکڑنے، تقریر کے نام پر غرانے، گھاس کھا کر ہزار سال لڑانے، پاکستان کو ایشین ٹائیگر بنانے والے ہم نے بہت دیکھ لئے...... اب تو کوئی سیدھا سادہ رول ماڈل ایسا چاہئے جو عوام سے جو کچھ کرانا چاہے...... خود کر کے دکھائے۔ خود گڑ کھا کر عوام کو میٹھے سے منع کرنے والا کوئی ارسطو کچھ نہ کر سکے گا...... خود ڈسپلن کی دھجیاں اڑانے والا کوئی شخص عوام کو ڈسپلن نہیں کر سکے گا اپنی ''میں'' مارے بغیر کوئی عوام کی ''میں'' نہیں مار سکے گا، خود کو Above the Law سمجھنے والا کوئی جینئس یا جی دار عوام کو قانون کا احترام نہیں سکھا سکے گا خود عیاشانہ لائف سٹائل اپنا کر کوئی طرم خان قوم کو سادگی کیلئے تیار نہیں کر سکے گا خود کرپٹ لوگوں کی سرپرستی کرنے اور ان کی وفائیں خریدنے والا عوام کو کرپٹ ہونے سے نہیں بچا سکے گا خود انتشار پیدا کرنے والا ''قوم'' کو متحد نہیں کر سکے گا'' خود بڑھکیں مارنے والا عوام کو بڑھک میں غرق ہونے سے منع نہیں کر سکتا۔

وہ جو کچھ خود کرے گا۔

''قوم'' سے بھی بہ آسانی کرا سکے گا۔

اور اس ''کرنے کرانے'' کیلئے کسی ''مرد آہن'' کی ضرورت ہے نہ ''مرد موم'' کی...... صرف ایک رول ماڈل کی ضرورت ہے جو آل مائٹی اسٹیبلشمنٹ کیلئے چنداں مشکل نہیں کہ جو بیشمار ''زیروز'' کو سب کچھ زیروزبر کر کے ''ہیروز'' بنا اور پھر ڈھا بھی سکے اس کے لئے کیا مشکل ہے کہ ایک بار کسی لیڈر کی بجائے کسی ٹیچرز کو بھی آزما کر دیکھے۔

آواز دے کر دیکھ لو شاید وہ مل ہی جائے
ورنہ یہ عمر بھر کا سفر رائیگاں تو ہے

تا حال ہم سب...... یہ ۱۶ کروڑ عوام یہ بتیس کروڑ ہاتھ اک ایسی بنجر اور بے آب وگیاہ چٹان کی مانند ہیں جسکے اندر بیش قیمت معدنیات کے خزانے چھپے ہیں۔

اسٹیبلشمنٹ سے لیکر عوام تک کو چاہئے کہ خود اپنے ساتھ جھوٹ بولنے سے باز رہ کر اک اور طرح کی بازی کھیلیں ورنہ بساط عالم پر ہماری حیثیت پیادوں جیسی بھی نہ رہے گی۔

اوپر سے نیچے تک سارا کو مپلیکشن اور کیریکٹر بدلنے کی ضرورت ہے جو فی الوقت کوئی روایتی لیڈر نہیں، صرف کوئی ٹیچر ہی کر سکتا ہے کہ اصلاً ہمارے آقا و پیغمبر بھی ٹیچر ہی تھے۔

معیشت اپنی جگہ...... اصل ضرورت تربیت کی ہے جو سولہ کروڑ افتادگان خاک کو چند سالوں میں خاک سے اٹھا کر افلاک تک پہنچا سکتی ہے۔

سولہ کروڑ جیتے جاگتے، چلتے پھرتے ایٹم بم!
پھر ہم سا ہو تو سامنے آئے۔

بشکریہ روزنامہ ایکسپریس

.........☆☆.........

’’انہیں نہ کوئی خوف ہے نہ غم‘‘

عبدالقادر حسن

☆...........غیر سیاسی باتیں

ہم عام مسلمان جن کی تعداد سوا ارب سے بھی زیادہ ہے اس قدر دل شکستہ اور مایوس نہیں ہیں جس قدر ہمارے حکمران ہیں۔ مسلمان ملکوں کے حکمرانوں کو دیکھیں تو یوں لگتا ہے جیسے انہوں نے اپنے عوام سے بالا بالا ہی غیر مسلم حکمرانوں سے سودا کر لیا ہے کہ طاقت ور مسیحی یہودی اور ہندو ان کے اقتدار کی بقا میں ان کی مدد کریں اور اس کے بدلے وہ مسلم امہ کو انسانوں کا ایک عضو معطل بنا کر انہیں پیش کریں گے اور اس خطے میں ان کے تسلط اور برتری کو قائم رکھیں گے مگر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے کئی گروہوں نے اپنے حکمرانوں کے اس سودے میں شریک ہونے سے انکار کر دیا ہے اور انہوں نے سامراج کے خلاف خود ہی جہاد شروع کر دیا ہے۔ دنیا کے طویل اور بلند کہساروں میں آباد افغانوں سے لے کر عرب ریگزاروں کے پڑوس میں واقع لبنان تک ایسے مسلمانوں کے گروہ منظم ہو چکے ہیں جو دنیا کی سب سے بڑی طاقتوں کو للکارنے اور ان سے دست آزمائی کے لئے تیار ہیں۔ ایک میدان جنگ گرم ہے جہاں ایک طرف دنیا کا جدید ترین اور ہلاکت انگیز اسلحہ ہے نہایت ہی تربیت یافتہ سپاہ ہے لیکن دوسری طرف اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے نہ تربیت یافتہ سپاہ ہے اور نہ اسلحہ ہے مگر اس فرق کے باوجود افغانستان ہو یا عراق ان پر قبضہ کرنے والے یہاں سے بھاگنے کی ترکیبیں سوچ رہے ہیں اور لبنان میں ایک غیر حکومتی اور غیر سرکاری گروہ نے اسرائیل اور امریکہ دونوں کی طاقت کو شکست دے دی ہے اور دنیا اس جدید معجزے پر حیران ہے ثابت ہو گیا ہے کہ ایمان نظریہ قربانی اور جاں نثاری سے بڑی طاقت اور کوئی نہیں ہے عراق و افغانستان میں مزاحمت اور لبنان میں فتح نے پوری دنیا کی کمزور قوموں کو ایک نئی زندگی بخشی ہے۔ جراتوں کی ایک نئی لہر دوڑا دی ہے اور شمالی کوریا نے ایٹمی دھماکہ کر کے اسے امریکہ کے منہ پر دے مارا ہے۔ آپ مسلمان اپنے حکمرانوں والا خوف دل سے نکال کر ذرا آج کے حالات پر نگاہ ڈالیں۔ عراق میں کوئی سات لاکھ کے قریب انسان ختم کر دیئے گئے' افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی اور لبنان کی عمارتیں زمین بوس کر دی گئیں دنیا بھر کے ٹیلی ویژن اس تباہی کو مسلسل نشر کرتے رہے اور اس کی وسعت سے باخبر کرتے رہے لیکن جن کے دلوں میں ایمان کی روشنی تھی انہیں نہ خوف آیا نہ کوئی غم۔ اس عظیم استقامت اور جہاد مسلسل کا نتیجہ یہ نکلا کہ انسانی تاریخ کی سب سے بڑی فوجی طاقت پسپائی کے راستے تلاش کر رہی ہے اور عجیب بات یہ بھی ہوئی کہ ایسا نتیجہ بہت ہی جلد سامنے آ گیا کمزوروں کو برسہا برس کی جدوجہد ہی نہ پڑی کیونکہ طاقت ور کے پاس صرف اسلحہ کی طاقت تھی اور اسی اسلحہ کا بھروسہ تھا لیکن ان کے دل کسی بھی قوت سے محروم تھے جب اسلحہ نے کامیابی حاصل نہ کی تو وہ فرار کے راستے کو تلاش کرنے لگے۔

انسانی نفسیات کا یہ ایک بنیادی نکتہ ہے کہ زیادہ اسلحہ اس کے مالک کی بزدلی کی علامت ہوتا ہے۔ مغرب کی نہایت ہی آسودہ

حال قوموں نے اپنی عالمی لوٹ مار کو ہضم کرنے کے لئے اسلحہ کے انبار جمع کر لئے کہ یہ نہ صرف ان کو بچائے گا بلکہ ان کے عالمی استحصال کو جاری بھی رکھے گا۔ دولت وثروت اور اخلاقیات دو متضاد چیزیں ہیں جس کی ایک اعلیٰ مثال امریکہ ہے۔ جس نے کسی جواز کے بغیر افغانستان اور عراق پر حملہ کر دیا مغربی دنیا نے اپنے لوگوں کے لئے شدید محنت اور ہنر کے ساتھ ایک نہایت ہی آسودہ زندگی تو حاصل کر لی مگر وہ یہ بھول گئے کہ انسانوں کی تعمیر اور تربیت بھی اسلحہ جتنی ضروری ہوتی ہے۔ مغربی فوجوں کا ایک سپاہی اپنی وردی میں تو ایک اسلحہ ہوتا ہے لیکن اس کے اندر ایمان کی رمق موجود نہیں ہوتی جب تک اسلحہ لڑتا ہے وہ بھی لڑتا ہے جب اسلحہ کام نہیں کرتا تو سپاہی اپنے اندر ہی ختم ہو جاتا ہے۔ جیسے اس وقت مغربی فوجیں کمزور ونا تواں افغانستان اور عراق کے سامنے شکست کھا کر واپسی کی راہ دیکھ رہی ہیں ان کے جرنیل یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم ناکام ہو گئے ہیں۔ کیا پاکستانیوں کو یاد ہے کہ بھارت کے دو سپہ سالار یہ کہہ چکے ہیں کہ کشمیر کے مسئلہ کا کوئی فوجی حل نہیں ہے کیونکہ کشمیری جس قوت کے مالک ہیں اس کو کسی اسلحہ سے زیر نہیں کیا جا سکتا۔ ہمارے سامنے ایک ایسی جنگ شروع ہوئی کہ حملہ آور کی فتح کا پوری دنیا نے یقین کر لیا یہ اس طرح درست بھی تھا کہ کہاں امریکہ اور کہاں افغانستان یا عراقی عوام۔ جب امریکہ کی فوجیں روانہ ہوئیں تو اپنے ساتھ فتح کا یقین لے کر ان ملکوں کی فضاؤں اور زمینوں میں داخل ہوئیں اور تباہی مچا دی۔ انتظار کیا جانے لگا کہ اب کتنے مہینوں میں مکمل فتح کا اعلان ہوتا ہے۔ نہ صرف افغانستان اور عراق بلکہ یہ کہا گیا کہ اب ایران کی باری آنے والی ہے اور پھر پاکستان کی لیکن کسی الہامی قسم کے دانشوروں کی ضرورت ہے جو اس یلغار کی ناکامی کی اصل وجوہات تلاش کر سکے۔ حربی علوم کو کتابوں میں اس کی کسی وجہ کو تلاش نہیں کیا جا سکتا۔ کسی زمانے میں مسلمان کہا کرتے تھے کہ دشمن کے مقابلے میں مسلمانوں کی نصف سپاہ کافی ہوتی ہے۔ لیکن یہ ان زمانوں کی بات ہے جب دونوں فوجوں کے پاس ایک جیسا اسلحہ ہوا کرتا تھا صرف سپاہی کی شجاعت اور جانثاری کا فرق ہوتا تھا مگر آج تو اسلحہ کا کوئی تناسب ہی نہیں ہے۔ ہم بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی' کی شاعری کو ایک مزاحیہ شاعری سمجھتے تھے لیکن کیا کریں کہ وہ کسی کہیں سچ بھی دکھائی دے رہی ہے ملاحظہ ہو لبنان کی حزب اللہ کی سپاہ اور اسرائیل کے درمیان جنگ کا معرکہ۔

دنیا بہت تیزی کے ساتھ بدل رہی ہے۔ کوئی پندرہ برس پہلے اس دنیا کی دوسری سپر پاور سویت یونین ختم ہوئی اور اب دنیا کی پہلی سپر پاور اپنے میدانوں سے پسپائی کا سفر اختیار کرنے والی ہے لبنان اور شمالی کوریا سے تو وہ پسپا ہو چکی ہے دوسرے جنگی میدانوں سے بھی وہ واپسی کا فیصلہ کر چکی ہے بس تھوڑی سی عزت کا مسئلہ ہے لیکن اس پسپائی سے مسلمان حکمرانوں پر لرزہ طاری ہو چکا ہے۔ ان کے اقتدار کے محافظ کو جب اپنی پڑے گی تو وہ ان کی کیا مدد کر سکے گا اور کیوں کرے گا۔ پاکستانی پرلے درجے کے احمق ہیں جو اس انتظار میں ہیں کہ یہاں کا اقتدار امریکہ کس کے پاس رکھے گا یا کس کے حوالے کر دے گا۔ افغانستان کے کہساروں اور عراق کے دجلہ وفرات کے دریاؤں کی سرزمینوں پر آنے والی کسی دنیا کے نقشے تیار ہو رہے ہیں۔ آزاد دنیا کے نقشے آنے والا موسم ہم نے نہ بھی دیکھا تو ہماری آنے والی نسل اسے ضرور دیکھے گی۔ اور ہم جو اسلام مسلمان اور مسلم اُمہ کا مذاق اڑاتے ہیں کسی ایسے تیز نشے کی تلاش کریں جو ہمارے آنے والے غم کو کچھ کم کر سکے۔ خواتین وحضرات اس پیشگی مشورے کے لئے میرا شکریہ ادا کریں۔

بشکریہ روزنامہ ایکسپریس

خوشحالی کا دیوتا

جاوید چودھری

☆............زیرو پوائنٹ

۲۷ سالہ رضیہ تین راتوں سے دروازے پر بیٹھی تھی‘ اس کے ہاتھ میں موتیے اور گلاب کے ہار تھے‘ وہ دروازے سے چند گز کے فاصلے پر تھی لیکن گھٹنوں میں درد کی وجہ سے اٹھتے ہوئے دیر ہو جاتی تھی اور وہ لوگوں سے لپٹتے اور ہاتھ ملاتے ہوئے رخصت ہو جاتے تھے‘ رضیہ دوبارہ بیٹھ جاتی تھی‘ تیسرے دن چوکیدار کو رحم آ گیا اور اس نے رضیہ کو دہلیز پر کھڑا کر دیا رضیہ دروازے کے فریم کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی‘ اندر حرکت ہوئی‘ دروازہ کھلا اور مسکراتا ہوا چہرہ باہر آ گیا رضیہ آگے بڑھی وہ رضیہ کے سامنے جھکا اور رضیہ نے اس کے گلے میں مرجھائے ہوئے ہار ڈال دیئے‘ ٹھیک اس لمحے رضیہ کی آنکھوں سے دو آنسو نکلے آنسو اس کی جھریوں سے الجھتے‘ ٹکراتے ہوئے ٹھوڑی پر پہنچے اور ٹھٹک کر رک گئے‘ آنسوؤں میں صبح کا سورج لرز رہا تھا‘ جب ٹھوڑی ہلتی تھی تو آنسوؤں کے سورج بھی آہستہ آہستہ ڈولتے تھے اس نے بوڑھی ٹھوڑی پر نظریں جما دیں‘ آنسو ٹوٹنے کیلئے نیچے جھکے‘ لکیر بنے اور انہوں نے ٹھوڑی کا ساتھ چھوڑ دیا‘ غریبوں کے دیوتا نے اپنی ہتھیلی آگے کر دی‘ پانی کے دو شفاف قطرے عین اس جگہ آ گرے جہاں سے اس کے مقدر کی لکیر شروع ہوتی تھی‘ اس نے ہتھیلی تہہ کی‘ مٹھی بنائی‘ مسکرایا اور دہلیز سے نیچے اتر گیا اسے ۳۰ سال کی محنت کا معاوضہ مل گیا۔

ڈاکٹر یونس ۱۹۷۴ء تک چٹا گانگ کے ایک مڈل کلاس سُنار کا بیٹا تھا اور اس کی واحد پہچان اس کی پی ایچ ڈی کی ڈگری تھی‘ وہ امریکہ میں پڑھتا تھا اسے وہاں اطلاع ملی اس کا ملک مشرقی پاکستان سے بنگلہ دیش بن گیا ہے وہ چٹا گانگ واپس آیا اور اس نے یونیورسٹی میں نوکری کر لی‘ وہ طالب علموں کو اکنامکس پڑھاتا تھا‘ چٹا نگ یونیورسٹی کے اردگرد دیہات تھے‘ ان دیہات میں ان دنوں صرف تین چیزیں تھیں‘ قحط‘ غربت اور قرض وہ روز شام کی سیر پر نکلتا تھا‘ دیہات میں جاتا تھا اور معیشت کو اصل حالت میں دیکھتا تھا اس کو محسوس ہوتا تھا کہ کتابوں میں لکھی غربت اور گلیوں میں تحریر مفلسی میں زمین آسمان کا فرق ہے ایک دن اس نے پروفیسر سے کارکن بننے کا فیصلہ کیا‘ وہ یونیورسٹی سے نکلا اور ''جوبرا'' گاؤں چلا گیا‘ گاؤں میں رضیہ نام کی ایک ۴۲ سالہ بیوہ تھی‘ رضیہ کھڈی پر رومال بناتی تھی‘ شام کو شہر سے ایک بیوپاری آتا تھا یہ رومال لیتا تھا اور اس کی جھولی میں وہ مٹھی چاول ڈال دیتا تھا‘ رضیہ کا خاندان ان چاولوں پر چوبیس گھنٹے گزارتا تھا ڈاکٹر یونس رضیہ کے پاس بیٹھ گیا‘ پتہ چلا گاؤں کے تمام لوگ سارا دن موڑھے بناتے‘ رومال کاتتے اور کپڑے سیتے ہیں اور شام کو بیوپاری ان کی جھولی میں دو دو مٹھی چاول ڈال کر سارا سامان شہر لے جاتا ہے‘ اس گلی میں ۴۲ گھر تھے وہ دروازے پر گیا اسے معلوم ہوا اگر کوئی شخص صرف ۲۷ ڈالر دے دے تو نہ صرف یہ ۴۲ گھرانے قرض سے آزاد ہو جائیں گے بلکہ یہ لوگ اپنے پاؤں پر بھی کھڑے ہو سکتے ہیں‘ ڈاکٹر نے اپنے اثاثے کا اندازہ لگایا‘ اس کے

پاس ۳۰ ڈالر تھے' اس نے تین ڈالر اپنے پاس رکھے اور باقی ۲۷ ڈالر ان لوگوں میں تقسیم کر دیئے یہ ۲۷ ڈالر آگے چل کر گرامین بینک بن گئے۔

ڈاکٹر یونس نے اپنے طالب علموں کو ساتھ ملایا اور ان لوگوں نے معیشت کے ایک نئے فارمولے کی بنیاد رکھ دی' اس فارمولے کی بنیاد اعتماد تھا ڈاکٹر یونس کا خیال تھا عورت خاندان میں سب سے زیادہ ذمہ دار فرد ہوتی ہے ایک گھریلو عورت دنیا کے ہزار معیشت دانوں سے زیادہ سمجھدار' ذمہ دار اور ایماندار ہوتی ہے لیکن بدقسمتی سے آج تک دنیا کے کسی فنانشل انسٹی ٹیوٹ نے عورت کے ٹیلنٹ کو نہیں آزمایا ڈاکٹر یونس کا کہنا تھا کہ قرض کے معاملے میں مرد غیر ذمہ دار ہوتے ہیں اس لئے دنیا میں ۹۸ فیصد مرد ڈیفالٹ کرتے ہیں جبکہ عورتوں کی شرح محض دو فیصد ہے' ڈاکٹر یونس کا خیال تھا اگر ہم عورتوں پر اعتماد کریں تو وہ بنگلہ دیش کا مقدر بدل سکتی ہیں ڈاکٹر یونس کا ایک دوست بنگلہ دیش کے نیشنل بنک میں ملازم تھا' ڈاکٹر نے اس کے ساتھ ملاقات کی اور اپنی ذاتی ضمانت پر جوبرا گاؤں کی تمام عورتوں کو قرضہ لے دیا' قرض کی کل رقم تین سو ڈالر تھی ان تین سو ڈالروں نے پورے گاؤں کی حالت بدل دی' لوگوں نے بینک کو تمام قسطیں بھی وقت پر ادا کر دیں ڈاکٹر یونس کا دوسرا تجربہ بھی کامیاب ہو گیا۔ اس دوسرے تجربے نے آنے والے دنوں میں دنیا کے دس کروڑ انتہائی غریبوں کی حالت بدل دی۔

گرامین بینک کا ماڈل بہت دلچسپ تھا یہ بینک غریب گھرانوں کو ضمانت کے بغیر چھوٹے قرضے دیتا تھا' یہ قرضے بلا سود ہوتے تھے اور قرض دار انہیں چھوٹی چھوٹی قسطوں میں واپس کرتے تھے' گرامین ۱۹۷۶ء دسمبر میں شروع ہوا۔ اور اس نے ۱۹۷۹ء میں حکومت کی توجہ حاصل کر لی' حکومت نے ڈاکٹر یونس اور گرامین بینک کی سپورٹ شروع کر دی' حکومت نے ۱۹۸۳ء میں اسے باقاعدہ بینک کی شکل دے دی' ڈاکٹر یونس نے اسے دیہات میں پھیلانا شروع کر دیا' اکتوبر ۲۰۰۶ء تک اس کی دو ہزار دو سو ۲۶ شاخیں کھل چکی تھیں' گرامین نے ۳۰ سال میں ۷۱ ہزار تین سو ۷۱ دیہات کو غربت کے چنگل سے آزاد کرایا۔ عالمی بنک کے مطابق اس بینک سے اب تک ۶۵ لاکھ بنگالی قرض لے چکے ہیں' بینک کے اثاثے ۷ ارب ڈالر ہیں جبکہ بنگلہ دیش کے علاوہ دنیا کے ۴۵ ممالک میں گرامین طرز پر بینک شروع ہو چکے ہیں۔ بینک کی برکات بنگلہ دیش کے دو کروڑ بائیس لاکھ لوگوں تک پہنچ چکی ہیں جبکہ پوری دنیا کے دس کروڑ لوگ اس ماڈل کا فائدہ اٹھا چکے ہیں' اس بینک کے قرض خواہوں میں ۹۶ فیصد عورتیں ہیں جبکہ اس کی ریکوری ۹۸ فیصد ہے' گرامین سے قرضہ لینے والے تمام خاندانوں کے بچے سکول جاتے ہیں' گھر کے تمام افراد تین وقت کھانا کھاتے ہیں تمام گھروں میں ٹوائلٹ ہیں' تمام گھروں کی چھتیں پکی ہیں تمام لوگ صاف پانی پیتے ہیں اور ان سب کو ہیلتھ انشورنس کی سہولت حاصل ہے جبکہ ان تمام سہولتوں کے ساتھ یہ لوگ ہر ہفتے ۸ ڈالر کی قسط بھی ادا کرتے ہیں۔ گرامین بینک اب تک بنگلہ دیش کے ۴۵ ہزار بھکاریوں کو بھی مفید شہری بنا چکا ہے۔ بینک بھکاریوں کو سو ٹکے (ڈیڑھ ڈالر) قرض دیتا ہے' بھکاری اس رقم سے کاروبار کرتے ہیں اور بینک کو ہر ہفتے دو ٹکے واپس کرتے ہیں' گرامین بینک نے گرامین فون اور گرامین ٹیلی کام کے نام سے موبائل اور وائرلیس فون کی کمپنیاں بنائیں' ان کمپنیوں نے ایک لاکھ ۳۹ ہزار خواتین کو دیہات میں پی سی اوز لگا کر دیئے اور اس کے نتیجے میں بنگلہ دیش کے ۸۵ ہزار دیہات عالمی رابطوں کی دنیا میں داخل ہو گئے گرامین بینک اب بنگالی محنت کشوں کو مچھلی کے تلاب بنا کر دے رہا ہے۔ یہ تلاب آنے والے دنوں میں بنگلہ دیش کو مچھلی کا

سب سے بڑا ایکسپورٹر بنادیں گے۔

ڈاکٹر یونس کو ۱۳ اکتوبر ۲۰۰۶ء کو نوبل پرائز دیا گیا ڈاکٹر یونس حقیقتاً اس اعزاز کا مستحق تھا۔ ڈاکٹر یونس نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا اگر اکیلا شخص ٹھان لے تو وہ صرف ۲۷ ڈالر سے غربت کو جڑوں سے ہلا سکتا ہے وہ ۴۶ ملکوں کے دس کروڑ لوگوں کا مقدر بدل سکتا ہے' آج بنگلہ دیش کے ۵۶ لاکھ گھرانوں اور دو کروڑ ۲۲ لاکھ لوگوں کی آنکھوں میں تشکر کے وہ آنسو ہیں جو کبھی ڈاکٹر یونس کی آرزو تھے۔ آج رضیہ جیسی لاکھوں بنگالی عورتوں کی آنکھوں سے تشکر کے کروڑوں آنسو نکل رہے ہیں۔ یہ آنسو چہروں کی جھریوں سے الجھ الجھ کر ٹھوڑیوں تک پہنچ رہے ہیں اور ان ٹھوڑیوں پر آنے والے دنوں کے سینکڑوں ہزاروں سورج چمک رہے ہیں' یہ سورج آج اعلان کر رہے ہیں اگر خلیج بنگال میں ۱۹۷۱ء طلوع نہ ہوتا تو آج بنگلہ دیش ہوتا' ڈاکٹر یونس ہوتا' گرامین بینک ہوتا اور نہ ہی بنگلہ دیش کے دو کروڑ ۲۲ لاکھ لوگ خوشحالی کے دروازے تک پہنچ پاتے' آج ڈاکٹر یونس کا نوبل پرائز چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے جب تک ڈاکٹر یونس پاکستان کا شہری تھا اس وقت تک وہ محض ایک لیکچرار تھا لیکن جب وہ بنگلہ دیش کا شہری بنا تو اس نے اپنی قوم کے قدموں میں نوبل پرائز ڈال دیا' وہ دنیا کا سب سے بڑا اکانومسٹ بن گیا۔

آیئے آج کے دن ہم وہ بدقسمتی تلاش کریں جو ہمارے ڈاکٹر یونسوں کو لیکچرار سے اوپر نہیں اٹھنے دیتی' جس نے ہمارے ہاتھ' ہمارے پاؤں باندھ رکھے ہیں جو ہمیں پاکستان میں گرامین جیسے ادارے نہیں بنانے دے رہی' جو پاکستان میں خوشحالی کا کوئی دیوتا پیدا نہیں ہونے دے رہی' جو انہیں آگے نہیں بڑھنے دے رہی۔

بشکریہ روزنامہ ایکسپریس

"خبردار! دلوں کا سکون اللہ کے ذکر میں ہے"

وفاقی دارالحکومت اسلام آباد میں ہر اتوار کو صبح 8:30 پر اجتماعی ذکر قلبی کی محفل ہوتی ہے۔ جو مسلمان مرد و خواتین اس سعادت سے بہرہ مند ہونا چاہیں وہ درج ذیل ایڈریس پر رابطہ کر سکتے ہیں۔

دار العرفان' ہاؤس نمبر 1 سٹریٹ نمبر 26

G10/2 اسلام آباد' فون 051-2113490

will signify high grade fever but for a patient who has been running 104 degrees for years, it will indicate a sure sign of recovery. Everyone doesn't transform into an angel overnight; a human being shall always remain a human being, ever prone to error. The process of Tazkiyah will however, revive within him the realisation of his relationship with his Creator and will inspire him from within to strive for **His** Pleasure. Before doing Zikr, we forced ourselves to offer Salah, but now we realize it as our requirement and feel an urge to pray. We may have been telling fibs in the past but now telling the truth will become our natural habit. We may have been dodging work and wasting time, unwatched at the office, but the light of Tazkiyah will revive the sense of responsibility and bestow the realisation that The Omnipresent, before Whom I am answerable, is always watching me. This realisation redirects life on the path of goodness. I think Tazkiyah is our essential requirement, without which a Muslim can't really survive. In the absence of Tazkiyah, we can't fully absorb and assume the grace and excellence that Islam bestows on us. Although our names are still like Deen Muhammad, but we have seen that, without Tazkiyah, the essence of the Deen of Muhammad-SAW has evaporated from our lives. Tazkiyah is our requirement which has become even more important for us today. May **Allah** grant us this realisation, capacity and blessing!

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون

درج ذیل احباب اوران کے عزیز واقارب نے دارفانی سے کوچ فرمایا۔

☆......میاں عبدالرشید صاحب (لاہور) کی اہلیہ محترمہ۔

☆......ضلع اٹک کے بزرگ ساتھی پروفیسر علی صفدر۔

☆......ٹوبہ ٹیک سنگھ کے ساتھی نذیر احمد عرف جگنو۔

☆......گوجرانوالہ کے ساتھی محمد امین صاحب کی والدہ محترمہ۔

☆......ضلع اٹک کے ساتھی لیاقت علی خان صاحب کے والد محترم۔

☆......گوجرانوالہ کے ساتھی محمد جاوید صاحب کی اہلیہ محترمہ۔

☆......کروڑ پکا (لودھراں) کے ساتھی حسین احمد صاحب کی والدہ محترمہ۔

☆......ڈسکہ ضلع سیالکوٹ کے ساتھی الطاف حسین صاحب کی والدہ محترمہ۔

☆......ضلع ہری پور کے ساتھی میاں خان صاحب کے چھوٹے بھائی پولا خان۔

☆......امیر جماعت ضلع شیخوپورہ وننکانہ صاحب صوفی مبارک علی صاحب کے بڑے بھائی۔

☆......بورے والا کے ساتھی عبدالرؤف کی بھابھی جان۔

☆......اسلام آباد کے ساتھی سید الطاف حسین شاہ صاحب کی ہمشیرہ صاحبہ۔

☆......ملک محمد زاہد گوجرانوالہ کے دادا جان۔

☆......نارووال کے ساتھی فیض احمد فیض کے والد محترم۔

☆......لاہور کے ساتھی محمد شاہد جیلانی کے بھائی۔

☆ چکوال کے ساتھی محمد احسان صاحب کے بہنوئی۔

☆......امیر جماعت اسلام آباد بشیر احمد بھٹی صاحب کے والد محترم۔

☆......لاہور کے ساتھی حافظ عبدالقدوس صاحب کی والدہ محترمہ۔

☆......چیچہ وطنی کے ساتھی ڈاکٹر مظفر صاحب کے والد محترم۔

☆......ہری پور کے ساتھی ماسٹر غلام جیلانی صاحب کی ہمشیرہ صاحبہ۔

اللہ تعالیٰ مرحومین کو جوار رحمت میں جگہ نصیب فرمائے۔

ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

..............☆☆☆..............

men who believe and women who believe, and men who obey and women who obey, and men who speak the truth and women who speak the truth, and men who persevere (in righteousness) and women who persevere, and men who are humble and women who are humble, and men who give alms and women who give alms, and men who fast and women who fast, and men who guard their modesty and women who guard (their modesty), and it climaxed at, *Men who remember* ***Allah*** *much and women who remember, for them* ***Allah*** *has prepared forgiveness and immense reward* (33: 35). The Quran recounted these praiseworthy qualities like prayers, fast, piety, honesty, trust and modesty as the root, trunk, leaves and flowers of a tree, and compared **Allah**'s Zikr with its fruit, thereby implying that **Allah**'s Zikr is the fruit of all worship. Here, the Quran has placed men and women as equal because both are human beings. Their duties and responsibilities may be different but as human beings both are equally important and answerable, and their deeds will be judged under the same law, by the same Judge.

We forgot the basic concept of leadership given by Islam which laid down that either the departing Amir should nominate his successor, or else the public should select the most suitable and capable person to manage the affairs of state. Islam had prescribed ability, neither colour nor creed, as the only pre-requisite for leadership. But when someone seized power, he ensured that it was passed down his descent line. This practice introduced all sorts of good and bad people who affected the system in their own way. We treated Tasawwuf in exactly the same manner. When a real eminent Shaikh, who had illuminated the hearts of a host of people with the light of his heart, passed away, we didn't bother to appoint his best student to succeed him, but brought forth the son to succeed his father, despite the fact that the son had never cared to even greet his father and had acquired nothing worthwhile from him. Such successors didn't possess real Tazkiyah and concocted baseless rituals and customs to present something instead. They introduced music, songs, feast and such other rituals. Truth was relegated to the background and rituals and ceremonies came to dominate the scenario. Such rituals certainly caused damage and the knowledgeable scholars rightly criticised them. This criticism spread so far and wide that now Tasawwuf appears to us, to be the root cause of all evil. Actually, our actions that generate these evil effects, are diametrically opposite to the teachings of Tasawwuf and Tazkiyah, but we blame Tasawwuf for all our problems and advocate its discard. On the contrary, Tasawwuf offers essential protection against such gibberish. Tasawwuf is the real attribute of a Muslim and makes him a better human being. A Muslim is not a recluse, but an outstanding member of his community, who maintains an excellent relationship with **Allah** and **His** creation, and a Wali is an outstanding Muslim who has an even better relationship with **Allah** and **His** creation.

Tasawwuf was our basic requirement. It was the guarantee for our survival and the nectar of our life, without which we can exist neither as good Muslims nor as good human beings. It has assumed an even greater significance in the commotion of the present time. You can try it yourself. If you start performing Zikr, you will certainly feel the difference. Those of your friends, who may have been offering Salah since a long time, would also discern the difference of feelings during Salah, after performing Zikr. The criterion for the delinquents like me is that, if I start committing nine sins daily instead of ten, I have started improving. My journey towards the good has begun and I can see a ray of hope at the far end of the tunnel. For a healthy person, a temperature of 102 degrees

kiyah. It is not correct to argue that Tazkiyah is an extra obligation; on the contrary, it is the foundation. It has assumed an even greater importance today, because a man of Tazkiyah won't lose himself or forget his Lord in this busy life, and will acquire the strength to reform his conduct according to the Will of his Master. New ideologies, orders and revolutions of the world should fail to impress such a person, and his heart should remain occupied by only those thoughts and feelings that please his Lord.

You can see that since the time our hearts have become void of these feelings, nothing seems to affect us. We are neither reformed by Tabligh (preaching) nor Hajj; our prayers also fail to influence our practical life and we discharge our religious obligations as a matter of routine only. Isn't it correct that when we go to the market, we expect a similar level of honesty from two shopkeepers - a Hajji and a thief? There should have been at least some difference between a person who has performed Hajj and offers Salah, and the one who gambles and never prays. However, our apprehensions about both of them are absolutely similar and we don't feel confident to trust either one of them. Above all, why isn't there any difference between the two? The reason is that neither one of them has passed through the process of Tazkiyah. Therefore, the hearts of both of them are possessed by the lust of this world. The first one was weak and mild, so he chose the safe and easy way to earn the world; while the second one being courageous, adopted the difficult course to the same goal. We praise the first and condemn the second, while in actual fact, their aim was similar; only the methods were different. The hearts of both of them remained alien to the feelings which **Allah**, **His** Messenger[SAW] and Islam wanted to infuse, and thus their conduct in practical life remained identical. However, if you pass the same thief through the process of Tazkiyah, it would reform his heart, correct the priorities of his life and purify his intentions. He will remain a thief no more, but will become better than many pious people.

The earliest people transformed by Islam, were neither imported from abroad nor created from any different material and given to the Holy Prophet[SAW]. They were the same people who belonged to the most notorious society of the world. But when Tazkiyah set in their hearts, they became the torch bearers of civilisation and spread the light of peace and justice to all corners of the globe. This grand edifice of excellence was erected on the strong foundation of Tazkiyah. The fruit borne by Tazkiyah is described by the Quran as, *'Their skins and hearts soften at **Allah's** remembrance'*. It indicates that **Allah**'s Name didn't penetrate their hearts alone, but it suffused each cell of their bodies, from the outermost skins to the innermost self. That was the fruit of Tazkiyah. It is an established law of nature that the fruit of every tree is also its seed. In the case of the Companions, the seed of Prophetic blessings bore the fruit of continuous Zikr. Therefore, **Allah** ordained continuous Zikr for all Muslims, including the Companions, to acquire Prophetic blessings. Each chapter and page of the Holy Quran contains an explicit or implicit Divine Command to perform **Allah**'s Zikr, and also highlights the disadvantages of eluding Zikr.

While discussing Zikr, the Quran addresses the whole of humanity and not men alone. Once a women submitted to the holy Prophet[SAW] that the Quran addresses only men and not women. He[SAW] replied that the Quran, being a book of guidance for mankind, addresses humanity as a whole, and men and women are equal members of the human race. **Allah** approved of her observation and the Quran included women in the detailed description of laudable human attributes. It began with, *Men who surrender (to **Allah**) and women who surrender, and*

didn't teach them only theory, but he filled their hearts with these feelings and realisation. Any one who couldn't meet the Holy Prophet-SAW didn't become a Companion; he may have become a good warrior, scholar or a pious Muslim. Similarly, the Companions didn't pass down only religious knowledge but they also transferred these feelings to those who visited them. The hearts of their visitors were also purified and they came to be known as the *Taba'in*. Anyone who couldn't get the company of the Companions might have become a very good Muslim otherwise, but didn't become a *Tab'i*. He couldn't remotely access the feelings obtainable in the presence of Companions, because it is a reflective process of the hearts. Only that heart, which came near, absorbed the reflection; others could not. The group of *Tab'a Taba'in* is similarly distinguished in the Ummah. Their qualification was that they had met the *Taba'in* and their hearts had also absorbed the excellence radiated by the hearts of the *Taba'in*. After their time, the religious knowledge came to be classified into various branches like Tafsir, Hadith, Fiqh and many people devoted their whole lives to learn each branch. You will however, observe that each one of them, without exception, whether a Mufassir, Muhaddith or Faqih, also acquired these inner feelings of the heart. Name any of them, Imam Abu Hanifah or Imam Ghazali-RUA, you may call them Sufis or not, but they all were the custodians of these feelings; Tazkiyah has always remained a prerequisite with all of them. If you study the life of religious scholars, you shall find that after completing their religious education, all of them spent some time in the company of an accomplished Shaikh. The point to ponder is that if they had already acquired complete religious knowledge, why did they waste their time with a saint? In fact they didn't waste their time, but tried to get the blessings radiated by him, which he had in turn acquired from his Shaikh, so that their knowledge could be transformed from abstract information into perceptible feelings of the heart. There is certainly a lot of difference between knowledge, news or information. According to a Persian proverb, *Knowledge which does not lead to truth, is actually ignorance.*

We have some friends here from the media, journalists who collect information about the whole world, receiving assorted news of numerous murders, robberies, marriages, deaths, changes in governments, political victories etc everyday. All this is nothing more than news which they write only to sell their papers. They collect and convey this information as a matter of routine; it doesn't affect them any way. They neither cry over any death nor celebrate any marriage. Similarly, a person may learn all the knowledge of this world, but if it fails to affect his practical life or produce any feelings within him, that is not real knowledge but information only. Knowledge is that information which produces specific feelings in the heart, may it be a small sentence. Sad news causes grief and happy news fills the heart with joy. Information about something good arouses the desire to acquire it, and the news of an impending danger produces the urge to protect oneself against it; that is real knowledge. The collection of information is not knowledge. It requires Tazkiyah to convert that information into knowledge. Some fortunate scholars received Tazkiyah from the same teacher who gave them knowledge. However, those who couldn't find both at one place, went to an accomplished Shaikh for Tazkiyah after completing their education, and the information that they had gained was then converted into real knowledge. During the present time, when we have become extremely busy in the pursuit of our worldly requirements, the importance of Tazkiyah has also increased many times; only that person will now remain on the right track, whose heart contains some Taz-

ment earlier, the same magicians were humbly requesting his favours as a reward for their victory in this grand competition, and he had promised them seats of distinction and honour near his throne in his court. Previously, they were reposing all their hopes in Pharaoh, but as soon as they accepted Faith, the reflection from Prophet Musa's heart instantly illuminated their hearts and changed their priorities. When Pharaoh threatened them with dire consequences for their disloyalty saying, 'I shall punish you severely and you will soon come to know who is more powerful. I shall cut your hands and feet on alternate sides and hang you on palm trunks', they simply replied, 'Do what you can. We don't desire the power and wealth of this world but we want to please our Lord, Whom we have been disobeying so far'. No doubt, it was the same Pharaoh with his might, awe and wealth for whom they were ready to sacrifice their lives only a few moments ago, but now they were addressing him in a totally different tone. They said, 'We can see what you can't. Death is a reality which may come now or later. **Allah** has given you the authority to kill us but our death will surely earn us **Allah**'s good Pleasure and that is not a bad bargain; we are ready for it'. Those, who had come for the rewards of this life, were now eager to embrace death. The rising sun had seen them bowing before Pharaoh but the setting sun found them slain in the way of **Allah**. The Holy Quran has recorded their conversation with the Pharaoh. They told him, 'We have to return to our Lord and account for all our deeds. It will be good that your swords cut our hands and feet which have been disobeying our Lord and you hang us by our necks, maybe that way we can attract **His** Mercy and earn **His** good Pleasure'. But, who told them about the Hereafter and the Final Accountability? It was the sublime reflection from the heart of Prophet Musa[AS] which carried this knowledge to their hearts. They became the custodians of Prophetic knowledge and started talking about those realities which Prophet Musa[AS] had not yet spoken. That is the difference between a Prophet and other experts. A Prophet does not impart theoretical knowledge only; he also saturates the hearts of believers with sublime feelings. The Holy Quran calls these feelings as Tazkiyah and it has been translated as Tasawwuf.

People say Tasawwuf is not required; Tasawwuf may not be required but every Muslim certainly requires Tazkiyah, which has been prescribed for him by the Holy Quran. Now, what was the effect of Tazkiyah? It filled the purified heart with **Allah**'s Zikr and **His** Lights, and instilled **His** Name to reverberate in its every beat. The thought, speech and conduct of such a person reflected his realisation of Divine Greatness. His entire personality underwent transformation. If you look at the lives of the earliest Muslims in Makkah, you will find that even though they were slaves or poor people, they were living quite peacefully before accepting Islam. But, the three years of Shoab-i Abu Talib, following the acceptance of Islam, brought them intolerable hardships. They were compelled to live under the open sky in the scorching heat of the desert. They were driven to the extreme limits of thirst and hunger. They were the same people who never dared to annoy the Makkan chieftains even for a moment, but now they withstood their entire wrath patiently. They said, 'We can endure every hardship but we can't give up our relationship with **Allah**, in exchange for food, shelter or dress'. After all, there must be something that changed the priorities of their lives.

That is the distinction of a Prophet that he can pour these feelings into hearts. The custodian of these feelings is known as a Companion. The Holy Prophet[SAW] transferred the whole religion to his Companions before his departure from this world. He[SAW]

strength and the light in his heart that can instantly illuminate the hearts of those who decide to accept his invitation. The strength of this light is reflected in Prophet Musa's[AS] dialogue with Pharaoh, "Do you want me to purify your heart, so that you can start seeing the path leading to your Lord? So that your heart may also establish a connection with **Allah** so that you will prefer **His** Pleasure over everything else and dread **His** Anger?" This conversation also discloses that even a person like Pharaoh retains the right to choose guidance. **Allah** has given two basic rights to every human being; the first is the right to live - which means that nobody can kill a human being except by **Allah**'s leave. If someone kills a person, for any reason or way other than those permitted by **Allah**, it is ... *as if he killed all of mankind* (5:32). He shall be made to account for the murder of all of humanity. It is because the right to live has been granted to every soul by **Allah** and **He** Alone can take it back - we can't deprive anyone of this right. The second human right is the freedom to believe. **Allah** Alone creates and provides for every soul, **He** blesses everyone with different qualities and gives them health or disease and whenever **He** desires, causes them to die. If **He** wanted all human beings to obey **Him**, could anybody possibly prevent **Him**? On the contrary, **He** chose to bless man with a unique capability of perceiving **Him**. The Holy Quran mentions that **Allah** offered this sublime attribute to the earth, the heavens and the mountains, but they all expressed their inability and inadequacy to accept. However, man accepted the grand challenge, 'Give it to me. I shall observe **Your** Splendour and Greatness, and shall try to gain **Your** Nearness.'

Every human being can thus perceive the Divine Being and **His** Attributes according to his own capacity. He can realise Divine Greatness vis-à-vis his own humbleness and decide to submit before his Lord. This independent decision grants him the ability to accept the truth. Then, if he is fortunate to access the company of a Prophet[AS] he becomes a Companion and can instantly rise to the highest level of human greatness after Prophets. Companionship is not a mere adjective, but denotes a level of human excellence in belief, honesty, reliability, piety, realization of Divine Nearness and Presence which a non-Companion can never achieve. In an instant, the most splendid human attributes are poured into his heart.

The earliest group to respond to the call of the Holy Prophet[SAW] in Makkah was comprised of the weak and the poor, who had remained slaves for generations. They were the most downtrodden class who could never dream of raising their heads in front of their masters. However, Islam infused great strength in them. It enabled them to perceive the Greatness of their Lord and they realised that they had no reason to fear their 'so called' masters who were also human beings like themselves. It also made them realise that they must try to build the correct relationship with their Lord; if they had to face death, it didn't really matter - it had to come anyway. This realisation made them so strong that all efforts by the Makkan chieftains miserably failed to break them.

Imagine the scene when Pharaoh called the magicians to compete with Prophet Musa[AS] before a huge crowd and **Allah** blessed the magicians with the light of Faith. We won't divert from our subject to discuss the reason for this Divine Favour, that is a complete topic in itself, but we will address only the relevant portion. The magicians received no opportunity to learn even the basic beliefs of their religion. They just cast their ropes which had become snakes. Prophet Musa[AS] also threw his staff which turned into a bigger serpent and swallowed all their snakes. Seeing this, they fell prostrate saying, '*We believe in the Lord of Musa and Harun.*' This made Pharaoh furious; because a mo-

that the Holy Prophet[SAW] invites mankind towards **Allah** by reciting Divine Revelation unto them. Then, he infuses a sublime feeling deep into the hearts of those who accept his[SAW] invitation and it produces a remarkable change within them. It inspires in them the desire to achieve Divine Nearness, for which they don't hesitate to make any sacrifice. We too make many sacrifices for comfort and status. There is hardly a family in this country whose some member wasn't killed in the Second World War; some died in Hong Kong, some in Singapore, some lost their lives in the Arabian deserts, while some became POWs in Germany and Japan. The majority of them hailed from urban areas, simple village folk who had no interest in world politics. Then why did they stake their lives for a foreign government - the British? The reason was that they wanted to earn even a small salary for their families to live honourably. This is because worldly requirements and demands have a definite significance in our hearts and minds. We learnt about their importance from our elders and confirmed it through our personal knowledge and experience. We can see only that far, and therefore endure many sufferings for their fulfilment. When someone's relationship with his Prophet grows stronger, it extends his vision to perceive and realise the facts and requirements of the next world as well. A common Muslim, even an illiterate shepherd living in a jungle, knows for sure that he has been created by **Allah** and that death is not the end of life but the doorway to the next life where he would be confronting the consequences of his worldly actions. This realisation brings a revolutionary change in the life of a believer and rearranges his priorities of life. The sphere of his effort no longer remains limited to this world but extends to obtain the comfort and honour of the next eternal life. He desires similar eternal peace and respect for his family, friends and everyone. This realisation flows into him through his connection with the Holy Prophet[SAW] and motivates him to make sacrifices, not for the good of this world, but for the betterment of the next. The effort to acquire this inner feeling and realisation which establishes the importance of the next life over this life, and inspires a man to sacrifice his comfort, status and even this life for the next, has been described as Tazkiyah by the Holy Quran.

Tazkiyah is the focal point of all Quranic teachings. The Holy Quran mentions Tazkiyah before knowledge, saying that the Prophet[SAW] of **Allah** first purifies the believers and then teaches them the Book and Wisdom, so that they can perceive and comprehend that world which the Quran exhorts them to strive for. It is natural that one's effort is directly proportional to the realisation of a requirement. Isn't someone who doesn't realise his needs called a mad person; he doesn't bother to eat, sleep or dress! If you try to convince him about the importance of food or sleep or dress, you would only be wasting your time because he is unable to comprehend his needs. The Holy Quran has adopted a unique style which first highlights the importance of a requirement and then describes the ways for its fulfilment. Tazkiyah, the realisation of the requirement to achieve comfort and honour in eternal life, is the foundation of Quranic teachings. Without this realisation, the effect of Quranic teachings is no different than of a sermon to a mad person, which is unlikely to bear any result. 'Tasawwuf' is the translation of Tazkiyah. Those who are allergic to the word Tasawwuf might as well leave it - the word has not been revealed by **Allah**; but nobody can deny the importance of Tazkiyah. If its significance is undermined, it would adversely reflect on Prophethood and the religion, and would render the whole system meaningless.

How do Prophets[AS] purify their followers? **Allah** blesses every Prophet[AS] with the

TAZKIYAH

Translated Speech of

Ameer Muhammad Akram Awan

Shaikh Silsilah Naqshbandiah Owaisiah

I would like to discuss Tasawwuf in this session; its definition, requirement and reality. **Allah** has gifted man with an immense intellectual ability and mankind has invented innumerable machines to make his life comfortable. These machines do his routine jobs and have relieved him of much of his workload but they haven't brought him any peace. When he was doing his work with his own hands, he still had some time to relax and reflect, but these machines have made his life even busier and have left him with little time to attend to his obligations. It is becoming increasingly difficult for him to find time for religion, family or even rest. In such a situation, what is the need or rationale to load him with yet another obligation of Zikr, which would certainly demand his attention and a portion of his already deficient time?

By nature, a human being seeks and trusts the opinion of experts and specialists for his problems. He would refer the problems of his own body to a doctor and prefer the doctor's opinion to his own personal view. He would similarly trust economists for his business and engineers for the construction of his house. Exactly on the same analogy, he must ask about human life from a specialist of this field. No historian, philosopher, scientist, or for that matter, no expert of any field has been able to adequately answer questions about the origin and end of life, the Creator, **His** Attributes, the nature of **His** relationship with man, the reality of life and death, and the nature of life beyond life. It is because such questions are beyond the scope of human knowledge and perception. Their total knowledge about human life is bracketed between birth and death; they cannot tell what was before birth and what follows after death. All these questions and many more like them are answered only by a distinct class of specialists known as Prophets and Messengers. They don't acquire this knowledge from any college or university because there is no institution in the world that can teach this subject. All institutions necessarily get such knowledge from Prophets, yet there is no institution where one could learn this subject and become a Prophet. The Prophets and Messengers are directly educated by Almighty **Allah**. Now, as a rule, the opinions and advice of these specialists should be trusted and followed in all matters relating to human life.

There is a fundamental difference between a specialist of worldly knowledge and a Prophet. A specialist can explain the theoretical aspects of his particular subject, but can never inspire anyone to acquire that knowledge. A technician, scientist or a doctor for example, can explain even the smallest details of their speciality but cannot produce an urge in your heart to adopt their professions. On the contrary, a Prophet doesn't just discuss the theory, but along with the theory, he also inspires special feelings in the heart. For example, if someone believes a Prophet about the Unity of **Allah**, the Prophet will instil a sublime feeling in the depths of his heart. Thereafter, even if the whole universe tries to negate him, he would remain firm about the truth of his conviction. That is the basic difference between a Prophet and a worldly expert.

The Holy Quran describes this phenomenon as Tazkiyah (purification) and mentions